ISSN: 2321-8339

ادارہ تحقیق وتصنیف اسلامی کا ترجمان

سہ ماہی

تحقیقاتِ اسلامی

علی گڑھ

جولائی۔ستمبر ۲۰۱۵ء

انسانی حقوق اور اسلام

سید جلال الدین عمری

حضرات عمرو بن العاصؓ اور خالد بن ولیدؓ کا قبولِ اسلام

پروفیسر محمد یٰسین مظہر صدیقی

شاہ ولی اللہؒ کے تفسیری مآخذ

ڈاکٹر محمد رضی الاسلام ندوی

فتویٰ نویسی کا تاریخی ارتقاء

پروفیسر محمد انس حسان

مولانا ابوالکلام آزادؒ اور نظم قرآن

ڈاکٹر نشا علیم

حضرت عروہ بن الزبیرؒ۔ اولین سیرت نگار

حافظ عبدالغفار

تعارف وتبصرہ

ادارۂ تحقیق وتصنیف اسلامی کے منصوبہ کے تحت تیار کردہ

۲ اہم کتابیں

اسلام کی امتیازی خصوصیات ..... مولانا محمد جرجیس کریمی

اس کتاب میں مصنف نے اسلام کی چند اہم اور نمایاں خصوصیات کا مطالعہ پیش کیا ہے، جس کا مقصد یہ ہے کہ مسلمانوں میں اسلام کی خصوصیات اور محاسن کی تلاش اور مطالعہ کا رجحان پیدا ہو اور اس پر ان کا اعتماد و ایمان بھی بحال ہوتا کہ وہ اپنے دین کی حقانیت اور ہمہ گیری کے بارے میں کسی شک وشبہ میں مبتلا نہ ہوں۔

● سائز: $\frac{23 \times 36}{16}$ ● صفحات: 212 ● قیمت: 100.00

حضرت ابراہیمؑ - امامِ انسانیت ڈاکٹر محمد رضی الاسلام ندوی

اس کتاب میں ابوالانبیاء خلیل اللہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کی داعیانہ زندگی اور دعوتی وتبلیغی جدّ وجہد کا ایک جامع مرقع پیش کیا گیا ہے اور ملّتِ ابراہیمی کے بنیادی عناصر، ملّتِ ابراہیمی کے حاملین، ملّتِ ابراہیمی سے انحراف، ملّتِ ابراہیمی اور اسلام، نصاریٰ اور ملّتِ ابراہیمی جیسے اہم موضوعات پر محققانہ اور داعیانہ بحث کی گئی ہے۔ ایک ایسی جامع اور تحقیقی کتاب جو ملّتِ ابراہیمی سے متعارف کرانے کے ساتھ اسوۂ ابراہیمی سے بھی روشناس کراتی ہے۔

● سائز: $\frac{23 \times 36}{16}$ ● صفحات: 200 ● قیمت: 85.00

ملنے کے پتے

۱۔ ادارۂ تحقیق وتصنیف اسلامی، نئی نگر، پوسٹ بکس ۹۳، علی گڑھ۔ ۲

۲۔ مرکزی مکتبہ اسلامی پبلشرز D-307 ابوالفضل انکلیو، نئی دہلی۔ ۲۵

ادارۂ تحقیق وتصنیفِ اسلامی کا ترجمان

سہ ماہی

تحقیقاتِ اسلامی

علی گڑھ

جولائی ——————— ستمبر ۲۰۱۵ء

مدیر

سیّد جلال الدین عمری

معاون مدیر

محمد رضی الاسلام ندوی

نبی نگر (جمال پور)، پوسٹ بکس نمبر ۹۳، علی گڑھ — ۲۰۲۰۰۲

ISSN: 2321-8339

سہ ماہی علی گڑھ

جلد: ۳۴ شمارہ: ۳

شوال المکرم ——— ذی الحجہ ۱۴۳۶ھ

جولائی ——— ستمبر ۲۰۱۵ء

- مجلہ کے تمام شمارے www.tahqeeqat.net پر لوڈ کر دیے گئے ہیں
- مقالہ نگار حضرات اپنے مقالات صرف tahqeeqat@gmail.com پر ارسال کریں۔
- انتظامی امور سے متعلق رابطہ کے ذرائع:

فون: 0571-2902034 موبائل: 09897655171

ای میل: tahqeeqateislami@gmail.com tahqeeqat_islami@yahoo.com

اندرونِ ملک

فی شمارہ ۴۰ روپے

سالانہ ۱۵۰ روپے

پانچ سال کے لیے ۶۰۰ روپے

سالانہ (لائبریریاں وادارے) ۲۰۰ روپے

برائے پاکستان

سالانہ (انفرادی) ۲۰ امریکی ڈالر

سالانہ (ادارے) ۲۵ امریکی ڈالر

برائے دیگر ممالک

سالانہ (انفرادی) ۲۵ امریکی ڈالر

سالانہ (ادارے) ۳۰ امریکی ڈالر

طابع وناشر سید جلال الدین عمری نے بھارت آفسیٹ دہلی-۶ سے چھپوا کر
ادارۂ تحقیق وتصنیفِ اسلامی، نبی نگر (جمال پور)، علی گڑھ سے شائع کیا

فہرست مضامین

حرف آغاز

انسانی حقوق اور اسلام — سید جلال الدین عمری — ۵

تحقیق وتنقید

حضرات عمرو بن العاصؓ، خالد بن ولیدؓ اور عثمان بن طلحہؓ کا قبولِ اسلام — پروفیسر محمد یٰسین مظہر صدیقی — ۱۵

شاہ ولی اللہؒ کے تفسیری مآخذ — ڈاکٹر محمد رضی الاسلام ندوی — ۴۳

بحث ونظر

فتویٰ نویسی کا تاریخی ارتقائ — پروفیسر محمد انس حسان — ۵۷

مولانا ابوالکلام آزاد اور نظمِ قرآن — ڈاکٹر نشا حلیم — ۷۱

سیر وسوانح

حضرت عروہ بن الزبیرؒ — اولین سیرت نگار — حافظ عبدالغفار — ۸۵

تعارف وتبصرہ

عصری عائلی مسائل اور اسلامی تعلیمات — ڈاکٹر محمد رضی الاسلام ندوی — ۱۰۹

قادیانی مسئلہ (تدوینِ نو) — ،، ،، ،، — ۱۱۱

عصر حاضر کے پر فریب نعرے — ،، ،، ،، — ۱۱۴

مولانا ضیاء الدین اصلاحیؒ: حیات وخدمات — جناب اسامہ شعیب — ۱۱۵

سہ ماہی مجلہ تعلیم وتحقیق اسلام آباد — جناب محمد رضوان خاں — ۱۱۶

(۵۶) — ۱۱۹

مقالات کا انگریزی خلاصہ — ۱۲۱—۱۲۸

اس شمارے کے لکھنے والے

۱— پروفیسر محمد یٰسین مظہر صدیقی

سابق چیرمین، شعبۂ اسلامک اسٹڈیز، مسلم یونی ورسٹی علی گڑھ

mnzdigitalpoint@gmail.com

۲— ڈاکٹر محمد رضی الاسلام ندوی

سکریٹری تصنیفی اکیڈمی، جماعت اسلامی ہند، نئی دہلی

mrnadvi@yahoo.com

۳— پروفیسر محمد انس حسان

گورنمنٹ ڈگری کالج جہانیاں، پاکستان

anskashmiri@gmail.com

۴— ڈاکٹر نشا حلیم

شعبۂ دینیات (سنّی) مسلم یونی ورسٹی علی گڑھ

tashiya15@gmail.com

۵— حافظ عبدالغفار

پی ایچ ڈی اسکالر، پنجاب یونی ورسٹی لاہور

abdulghaffarpu@hotmail.com

۶— جناب اسامہ شعیب

ریسرچ اسکالر، شعبۂ اسلامک اسٹڈیز، جامعہ ملیہ اسلامیہ نئی دہلی

usama9911@gmail.com

۷— جناب محمد رضوان خاں

ریسرچ اسکالر، شعبۂ اردو، دہلی یونی ورسٹی، دہلی

afeefrizwan@gmail.com

۸— سید جلال الدین عمری

صدر ادارۂ تحقیق وتصنیف اسلامی وامیر جماعت اسلامی ہند

انسانی حقوق اور اسلام

سید جلال الدین عمری

صدر ادارۂ تحقیق و امیر جماعت اسلامی ہند مولانا سید جلال الدین عمری نے جماعت اسلامی پاکستان کے اجتماع عام منعقدہ لاہور ۲۱۔ ۲۳ نومبر ۲۰۱۴ء میں شرکت کی ۔ اجتماع کے دوسرے دن بعد نمازِ فجر انہوں نے 'انسانی حقوق' کے موضوع پر قرآن و حدیث کی روشنی میں درس دیا۔ یہ دیکھ کر خوش گوار حیرت ہوئی کہ سخت سردی کے باوجود ان کا خطاب سننے کے لیے تقریباً ایک لاکھ کا مجمع موجود تھا۔ خطاب کو ریکاڈنگ سے نقل کرلیا گیا اور اب مولانا کی نظر ثانی کے بعد وہ ہدیۂ قارین ہے۔ (رضی الاسلام)

اللہ تعالیٰ کا شکر و احسان ہے کہ اس نے اس عظیم اور مبارک اجتماع میں شرکت کی سعادت بخشی ۔ میں جماعت اسلامی پاکستان کے امیر محترم اور دوسرے ذمہ داروں کا شکر گزار ہوں کہ انہوں نے یہ موقع فراہم کیا۔

بزرگو، بھائیو، عزیز و اور محترم خواتین!

آج کے دور میں انسانی حقوق کا موضوع ایک زندہ موضوع ہے۔ اس پر ہر طرف گفتگو اور بحث و مباحثہ ہو رہا ہے ۔ ہر شخص یہ جاننا چاہتا ہے کہ جس سماج کے اندر وہ رہ رہا ہے، جس ملک میں وہ زندگی گزار رہا ہے اور جس دنیا میں وہ جی رہا ہے، اس میں اس کا کیا حق ہے؟ مزدور کا کیا حق ہے اور مالک کا کیا حق ہے؟ وطن میں رہنے والے کا کیا حق ہے اور وطن سے باہر رہنے والے کا کیا حق ہے؟ کیا ان حقوق میں کوئی فرق و امتیاز ہے یا سب کو برابر حقوق ملنے چاہئیں؟ آپ دیکھ رہے ہیں کہ اسی بنیاد پر انسانوں سے معاملہ کیا جاتا ہے اور بعض اوقات ان کے درمیان فرق بھی کیا جاتا ہے ۔ جو زیادہ

طاقت ور ہے وہ زیادہ حقوق کا دعوی کرتا ہے ۔ نہ صرف دعوی کرتا ہے بلکہ اپنے لیے زیادہ حقوق رکھنا چاہتا ہے ۔ جو کم زور ہے، ایک تو اس کے حقوق تسلیم نہیں کیے جاتے اور اگر تسلیم کیے بھی جاتے ہیں تو وہ حقوق اسے مل نہیں پاتے ۔

اسلام نے اس سلسلے میں ہمیں جو ہدایات دی ہیں وہ بالکل فطری ہیں۔ دنیا کے اندر جو بگاڑ ہے، اس کا علاج ان ہدایات کے اندر موجود ہے ۔ اس کا بنیادی تصور یہ ہے کہ ہر انسان جو دنیا میں پیدا ہوتا ہے، اپنے کچھ حقوق لے کر پیدا ہوتا ہے۔ کسی بھی شخص کو اجازت نہیں دی جا سکتی ہے کہ وہ اس کے ان حقوق پر دست درازی کرے ۔

جو بچہ پیدا ہوتا ہے، اسے زندہ رہنے کا حق ہے۔ کسی کو یہ حق نہیں کہ وہ اسے زندہ نہ رہنے دے۔ قرآن وحدیث میں یہ بات بہت وضاحت سے کہی گئی ہے۔ کسی انسان پر سب سے زیادہ حقوق یا احسانات اس کے ماں باپ کے ہوتے ہیں۔ ماں باپ کو بھی اس کی اجازت نہیں دی گئی کہ وہ اپنے بچے کو حق حیات سے محروم کر دیں۔ قرآن نے صاف صاف کہا:

وَ لاَتَقْتُلُوا أَوْ لاَدَكُم۔ (الانعام:۱۵۱) اپنی اولاد کو قتل نہ کرو۔

دوسری جگہ قرآن نے کہا:

وَإِذَا الْمَوْؤُو دَةُسُئِلَتْ۔ بِأَيِّ ذَنبٍ قُتِلَتْ (الشّمس:۸–۹) ایک وقت وہ بھی آنے والا ہے جب اس بچی سے، جسے زندہ درگور کر دیا گیا تھا ، پوچھا جائے گا: بتاؤ، کس جرم میں تمھیں مارا گیا؟ ۔

جس نے قتل کا جرم کیا اس کو اس قابل بھی نہیں سمجھا جائے گا کہ اس سے سوال کیا جائے ، بلکہ اس معصوم سے پوچھا جائے گا کہ تم تو بے گناہ تھے، پھر کس جرم کی پاداش میں تم کو ختم کیا گیا۔

جو بھی انسان خدا کی زمین پر موجود ہے اس کی زندگی سلب کرنے کا کسی کو حق نہیں ہے ۔ قرآن میں یہ بات بہت وضاحت کے ساتھ کہی گئی ہے۔ اہل ایمان کی تعریف کی گئی:

وَ لَا يَقْتُلُونَ النَّفْسَ الَّتِيْ حَرَّمَ اللّٰهُ إِلَّا بِالْحَقِّ (الفرقان: ٦٨)

''(اللہ کے نیک بندے تو وہ ہیں) جو کسی بھی انسان کی جان نہیں لیتے، ہاں اگر اس نے کوئی جرم ایسا کیا ہے جس کے بعد اس کا زندہ رہنا صحیح نہیں ہے تو اس کی جان لی جا سکتی ہے۔''

اگر حق و انصاف اجازت نہ دیں تو کسی بھی شخص کو، خواہ وہ وقت کا بادشاہ اور مملکت کا فرماں روا ہی کیوں نہ ہو، یہ حق نہیں دیا جا سکتا کہ وہ کسی شخص کو اس کے زندہ رہنے کے حق سے محروم کر دے، نبی ﷺ نے فرمایا: **اجتنبوا السبع الموبقات** (سات ہلاک کرنے والی چیزوں سے بچو) ان میں سے ایک کا تذکرہ آپؐ نے ان الفاظ میں کیا: **قتل النفس التی حرم اللہ الا بالحق** (بخاری ومسلم) ''کسی کی جان کو، جسے اللہ نے محترم ٹھہرایا ہے، ناحق قتل کرنا''

محترم دوستو اور ساتھیو!

قرآن نے صراحت کے ساتھ کہا کہ جو انسان پیدا ہوتا ہے اسے زندہ رہنے کا حق ہے۔ جب وہ زندہ رہے گا تو معاشرہ پر اس کے کچھ اور حقوق بھی عائد ہوں گے۔ آج جو بچہ پیدا ہوا ہے وہ زندہ اس وقت رہے گا جب آپ یہ تسلیم کریں کہ اسے زندہ رہنے کے لیے جس ساز و سامان کی ضرورت ہے وہ اسے ملنا چاہئے۔ اس کو جو غذا مطلوب ہے وہ اسے ملنی چاہیے۔ جب تک وہ ماں کے پیٹ میں تھا، اللہ تعالیٰ کی طرف سے اس کو غذا فراہم کی گئی تھی۔ اب وہ آپ کے حوالے ہوا ہے اور اللہ تعالیٰ یہ دیکھنا چاہتا ہے کہ اس کی ضرورت آپ پوری کر رہے ہیں یا نہیں؟ اس کی ضرورت پوری کر رہے ہیں یا اسے کسی کوڑے دان میں پھینک رہے ہیں۔ اسے زندہ رہنا ہے، ماں کو اس کے لیے تیار کیا گیا، باپ سے کہا گیا کہ اسے زندہ رہنے کا سامان فراہم کرے۔ پہلے لمحے سے اس کی جو ضرورت ہے وہ لازماً پوری ہو۔ اور پھر زندہ رہنا واحد حق نہیں ہے، بلکہ یہ ہزاروں حقوق کی بنیاد بنتا ہے۔ وہ زندہ رہے گا تو اس بات کی ضرورت ہے کہ آپ اس کے کھانے پینے کی ضروریات پوری کریں، اس کے لباس کی ضروریات پوری کریں، اس

کے رہنے سہنے کا انتظام کریں، اسے محفوظ مقام پر رکھیں، گرمی اور سردی میں اس کی حفاظت کریں۔ تب وہ زندہ رہے گا، ورنہ دست اجل اسے ختم کرکے رکھ دے گا۔ اس کے بعد اس بات کی بھی ضرورت ہے اور یہ اس کا فطری حق ہے کہ اسے تعلیم دی جائے۔ بغیر علم کے انسان جانوروں جیسی زندگی گزارتا ہے۔ ہر انسان کا یہ حق ہے کہ اسے علم کی دولت سے آراستہ کیا جائے اور اسے اس قابل بنایا جائے کہ اس دنیا کے اندر اور جس معاشرہ میں وہ رہ رہا ہے اس میں اپنا کردار صحیح طریقے سے ادا کرے۔ اگر ہماری غفلت کی وجہ سے ہمارا بچہ اس قابل نہیں رہتا تو یہ ہماری کوتاہی ہے کہ ہم نے اسے اس قابل نہیں بنایا کہ وہ معاشرے کا بہتر فرد بن سکے۔ مغربی تعلیم کی کوئی سمت متعین نہیں ہے۔ اگر آپ ان سے پوچھیں تو وہ یہی کہیں گے کہ ہم بہترین شہری تیار کرنا چاہتے ہیں۔ میں نے بہت سے جدید تعلیم یافتہ لوگوں سے پوچھا کہ تمہاری تعلیم کا کیا مقصد ہے؟ وہ سوائے روزگار کے اور کوئی مقصد حیات نہ بتا سکے۔ آپ کی ذمہ داری ہے کہ آپ اپنے بچوں کی صحیح تعلیم و تربیت کریں۔ انہیں بتائیں کہ زندگی کس لئے ہے اور کیسی گزارنی چاہئے؟ آپ اپنے بچوں کو ایسی تعلیم دیجئے کہ انہیں معلوم ہو کہ اس کائنات کا ایک خدا ہے۔ اس نے رسول بھیجا ہے۔ اس نے کتاب نازل کی ہے۔ اس نے ان کی ہدایت کا انتظام کیا ہے اور ان کی رہنمائی کی ہے۔ اس کے مطابق انہیں زندگی گزارنی ہے۔ انھیں یہ باتیں معلوم ہوں گی، تب وہ بہترین شہری بنیں گے۔

انسان کا صرف پیدا ہو جانا ہی بڑی بات نہیں ہے، بلکہ اس کے بعد وہ بہت سی چیزوں کا مطالبہ کرتا ہے۔ ضروری ہے کہ اس کے تمام جائز مطالبات پورے ہوں، وہ اس دنیا میں زندگی گزارنے کا صحیح طریقہ جاننا چاہتا ہے تب ہی وہ انسان رہے گا، ورنہ حیوانوں کے صف میں چلا جائے گا۔ قرآن کے الفاظ میں اگر انسان کو راہ ہدایت نہ ملے تو اس میں اور جانور میں کوئی فرق نہیں رہ جاتا۔

يَأْكُلُونَ كَمَا تَأْكُلُ الْأَنْعَامُ (محمد:۱۲) وہ جانوروں کی طرح کھاتے پیتے ہیں۔

انسانی حقوق پر جب گفتگو کی جاتی ہے تو کہا جاتا ہے کہ حریت فکر انسان کا

بنیادی حق ہے۔ وہ چاہتا ہے کہ فکری طور پر وہ آزاد ہو، اس پر کوئی جبر نہ ہو۔ اسلام بھی حریت فکر کو انسان کا بنیادی حق قرار دیتا ہے۔ چناں چہ قرآن کہتا ہے: اللہ کا دین حق ہے۔ حق کا مطلب یہ ہے کہ وہ دلائل سے ثابت ہو چکا ہے۔ جو شخص اس کا انکار کرتا ہے وہ حقیقتِ واقعہ کا انکار کرتا ہے، لیکن انسان آزاد ہے۔ چاہے اسے قبول کرے یا نہ کرے۔ اللہ تعالی کا ارشاد ہے:

وَقُلِ الْحَقُّ مِن رَّبِّكُمْ فَمَن شَاء فَلْيُؤْمِن وَمَن شَاء فَلْيَكْفُرْ (الکہف ۲۹)

آپ کہہ دیجئے کہ حق تمہارے رب کی طرف سے آچکا ہے اب جس کا جی چاہے مانے اور جس کا جی چاہے انکار کردے۔

لوگ کہتے ہیں کہ اسلام تلوار کے زور سے پھیلا ہے۔ میں بار بار اپنی تقریروں میں کہتا ہوں: وہ آیت مجھے آج تک نہیں ملی جس میں کہا گیا ہو کہ اسلام کو تلوار کے ذریعہ پھیلاؤ۔ میں نے تو یہ آیت پڑھی ہے:

إِنَّا هَدَيْنَاهُ السَّبِيلَ إِمَّا شَاكِراً وَإِمَّا كَفُوراً (الدھر:۳)

ہم نے سیدھا راستہ دکھا دیا ہے۔ اب انسان کو اختیار ہے کہ وہ شکر کا راستہ اختیار کرے یا ناشکری کا راستہ۔

یوں تو انسان کو اللہ تعالی کا شکر گزار ہونا چاہیے کہ اس نے اسے سیدھا راستہ دکھایا، لیکن اگر وہ کفر اور ناشکری کا راستہ اختیار کرتا ہے تو اسے اس کا بھی اختیار ہے۔ اس سے بڑی آزادی اور کیا ہوگی۔ قرآن نے کہا ہے:

لاَ إِكْرَاهَ فِي الدِّيْنِ (البقرۃ:۲۵۶)

دین کے معاملے میں کوئی زور زبردستی نہیں ہے۔

دوسری جگہ قرآن کہتا ہے:

أَفَأَنتَ تُكْرِهُ النَّاسَ حَتَّى يَكُونُواْ مُؤْمِنِينَ (یونس:۹۹)

کیا آپ لوگوں کو ایمان لانے پر مجبور کریں گے۔

انسان کے بنیادی حقوق میں مساوات کا بھی ذکر ہوتا ہے۔ کہا جاتا ہے کہ سارے انسان مساوی حیثیت کے مالک ہیں۔ عورت، مرد، بڑے چھوٹے، امیر، غریب، مالک اور مزدور، سب کا درجہ ایک ہے۔ ان میں رنگ، نسل، وطن، علاقے، جنس

اور صنف کی بنا پر کوئی فرق نہیں ہونا چاہیے۔ اس میں شک نہیں کہ مساوات کی غیر معمولی اہمیت ہے، لیکن اس کے ساتھ یہ بھی حقیقت ہے کہ اس کی آواز جتنے زوردار طریقے سے اسلام نے اٹھائی ہے، اس سے زوردار آواز شاید کبھی اٹھائی نہیں گئی۔ قرآن مجید نے واضح الفاظ میں اعلان کیا:

يَآاَيُّهَا النَّاسُ إِنَّا خَلَقْنٰكُم مِّن ذَكَرٍ وَأُنثَىٰ وَجَعَلْنٰكُمْ شُعُوباً وَقَبَائِلَ لِتَعَارَفُوا إِنَّ أَكْرَمَكُمْ عِندَ اللّٰهِ أَتْقٰكُمْ إِنَّ اللّٰهَ عَلِيمٌ خَبِيرٌ (الحجرات:۱۳)

اے لوگو! ہم نے تم کو ایک مرد اور ایک عورت سے پیدا کیا اور تمہاری قومیں اور قبیلے بنا دیے، تا کہ تم ایک دوسرے کو پہچان سکو۔ بے شک، تم میں سب سے زیادہ باعزت والا اللہ کے نزدیک وہ ہے جو سب سے زیادہ اس سے ڈرنے والا ہے۔ بے شک اللہ سب کچھ جانتا اور خبر رکھتا ہے۔

یہاں خطاب ساری دنیا کے لوگوں سے ہے، کسی خاص گروہ اور جماعت سے نہیں ہے۔ فرمایا: اے لوگو! سنو، تم سب کو ہم نے ایک مرد اور ایک عورت سے پیدا کیا ہے۔ اب بہ حیثیت انسان تم سب ایک دوسرے کے بھائی ہو۔ ماں باپ کی اولاد ہونے کی بنیاد پر تم سب برابر ہو۔ تمہارے درمیان کوئی فرق نہیں ہے۔ تمھیں مختلف قبائل اور گروہوں میں تقسیم کیا گیا ہے، تا کہ تم ایک دوسرے کو پہچان سکو۔ مثال کے طور پر اگر سب لوگ ایک ہی رنگ، ایک ہی شکل، ایک ہی قد و قامت کے ہوتے تو کیسے ایک دوسرے کو پہچانتے۔ کہا گیا کہ ہم نے یہ فرق اس لیے رکھا تا کہ تم ایک دوسرے کو پہچانو کہ یہ افریقہ کا رہنے والا ہے، وہ ایران کا رہنے والا ہے، یہ ہندستان یا پاکستان کا رہنے والا ہے۔ اور اس سے نیچے اتر کر جان سکو کہ یہ اس خاندان کا فرد ہے، اس کے یہ حقوق و فرائض ہیں، وہ اس خاندان سے تعلق رکھتا ہے، اس کے یہ حقوق و فرائض ہیں۔ اس کے بعد کہا گیا کہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک سب سے شریف، باعزت، معزز اور مکرم وہ ہے جس کے اندر سب سے زیادہ اس کا تقوی ہو۔ انسانوں نے عزت و ذلت کے بہت سے معیار قائم کر رکھے ہیں، کہیں حکومت و ریاست، کہیں جاہ و منزلت، کہیں خاندان اور قبیلہ شرف و منزلت کے معیار سمجھے جاتے ہیں۔ قرآن نے کہا کہ عزت کا معیار ان میں سے

کوئی چیز نہیں۔اس کا معیار خدا کا خوف اور تقوی ہے۔اگر یہ بات ذہن میں پیوست ہوجائے کہ ہم میں سب سے زیادہ عزت والا وہ ہے جو اللہ سے سب سے زیادہ ڈرنے والا ہے تو دنیا کا نقشہ بدل جائے۔رسول اکرم ﷺ نے حجۃ الوداع میں جو بے نظیر خطبہ دیا، جسے اسلامی حقوق کا منشور کہیں تو بے جا نہ ہوگا، وہ بہت طویل خطبہ ہے، اسے بعض حضرات نے جمع بھی کر دیا ہے۔اس میں یہ بات شامل ہے کہ آپؐ نے فرمایا:

لا فضل لعربی علی عجمی ولا لعجمی علی عربی ولا لأحمر علی أسود ولا لأسود علی أحمر الا بالتقوی، کلکم من آدم و آدم من تراب (مسند احمد)

نہ کسی عربی کو کسی عجمی پر کوئی فضیلت ہے اور نہ کسی عجمی کو کسی عربی پر، نہ کسی گورے کو کسی کالے پر کوئی فضیلت ہے اور نہ کسی کالے کو کسی گورے پر، الّا یہ کہ کسی میں تقوی ہو۔سن لو تم سب کے سب آدم سے ہو اور آدم مٹی سے ہیں۔

اس حدیث میں آپؐ نے سب سے پہلے عرب کا ذکر فرمایا۔اس کی وجہ یہ ہے کہ اس وقت عربوں کے ہاتھوں میں اقتدار تھا اور آپؐ خود عرب تھے۔کہا کہ آج جن کے ہاتھوں میں اقتدار ہے ان کو معلوم ہونا چاہیے کہ عجمیوں پر ان کو کوئی برتری اور فضیلت حاصل نہیں ہے۔کیا آپ نے کسی صاحبِ اقتدار کو یہ اعلان کرتے ہوئے سنا ہے؟لیکن محمد عربی ﷺ نے، جن پر ہماری جانیں ہزاروں بار نثار ہوں، اعلان کیا کہ کسی عربی کو کسی عجمی پر کوئی فضیلت ہے نہ کسی عجمی کو کسی عربی پر، کسی گورے کو کسی کالے پر کوئی فضیلت ہے نہ کسی کالے کو کسی گورے پر۔اللہ تعالی نے جن لوگوں کو یورپ میں پیدا کیا وہ گورے ہوگئے، ہم کو ہندستان میں پیدا کیا تو ہم سانولے ہوگئے، جن کو جنوبی افریقہ میں پیدا کیا وہ کالے ہوگئے۔جسم کی رنگت آدمی کے اختیار میں نہیں ہے۔کہا گیا کہ یہ کوئی معیار نہیں ہے۔ہاں، اگر کسی کے دامن میں تقویٰ اور خدا ترسی کی دولت ہے تو وہ افضل ہے، اس کا احترام ضرور ہونا چاہیے۔اس کے بعد فرمایا کہ سب آدم کی اولاد ہیں، یعنی اہلِ عرب بھی آدم کی اولاد ہیں اور اہلِ عجم بھی اور یاد رکھو کہ آدم مٹی سے پیدا ہوئے تھے۔مٹی کے اندر غرور نہیں ہوتا، بلکہ وہ تواضع، خاک ساری اور عاجزی کی

علامت ہے۔اس کو روندتے رہیے، وہ آپ کے خلاف بغاوت نہیں کرے گی۔اس پر کدال چلائیے، پھاوڑا چلائیے، وہ خاموش رہے گی۔پھر آدمی، جو مٹی سے پیدا ہوا ہے، وہ کس چیز پر غرور کرے؟ اقتدار، حکومت، رنگ، نسل، کس چیز پر اسے غرور ہو؟ جب کہ وہ مٹی سے پیدا ہوا ہے اور مٹی کی خاصیت خاک ساری اور عاجزی ہے۔

دوستو اور عزیزو!

حقوق میں تیسری چیز جس کا ذکر کیا جاتا ہے، وہ عدل وانصاف ہے۔قرآن نے کہا کہ دنیا میں عدل و انصاف کے قیام ہی کی پیغمبروں نے تعلیم دی ہے۔اگر مسلمانوں کو دنیا میں حکومت قائم کرنے کا موقع ملے گا تو اس کے ذریعہ وہ دنیا میں انصاف قائم کریں گے۔انصاف کے قیام کے لیے پوری امت کو کھڑا کیا گیا ہے۔مجھے نہیں معلوم کہ کسی پوری قوم کو انصاف کے قیام کے لیے کھڑا کیا گیا ہو۔یہ امتیاز صرف اہلِ اسلام کو حاصل ہے۔اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

يَآ يُهَا الَّذِيْنَ آمَنُوا كُونُوا قَوَّامِيْنَ بِالْقِسْطِ (النسائ:۱۳۵) اے ایمان والو، انصاف کے قیام کے لیے کھڑے ہو جاؤ۔

اللہ کے رسول ﷺ نے فرمایا کہ انصاف ہو تو سب کے درمیان ہو، اس معاملے میں کوئی فرق و امتیاز نہ کیا جائے۔حدیث میں ہے کہ بنو مخزوم کی ایک عورت نے چوری کی اور پکڑی گئی۔جرم ثابت ہو گیا۔ اس وقت یہ حکم آچکا تھا کہ چوری چاہے مرد کرے یا عورت، اس کا ہاتھ کاٹ دو۔لوگوں نے کہا کہ اس حکم کے مطابق اس عورت کا ہاتھ کاٹ دیا جائے گا۔اس طرح جس قبیلے سے اس کا تعلق ہے اس کی ناک کٹ جائے گی۔قبیلہ سر اٹھا کر نہیں چل سکے گا۔لوگوں نے کہا کہ حضور سے درخواست کی جائے کہ یہ عورت شریف گھرانے کی ہے، اس کا ہاتھ نہ کاٹا جائے، کوئی اور سزا دے دی جائے۔مشورہ ہوا کہ آپؐ سے اس سلسلے میں کون بات کرے؟ بعض لوگوں نے کہا کہ اس معاملے میں حضرت اسامہؓ بات کر سکتے ہیں۔اس لیے کہ آپؐ ان کو اپنی اولاد کی طرح عزیز رکھتے ہیں۔وہ حضور اکرم ﷺ کی خدمت میں پہنچے اور مدعا عرض کیا۔آپؐ ان کی بات سن کر برہم ہو گئے۔فرمایا ''اسامہ!

قانون کے معاملے میں تم سفارش کرنے آئے ہو''۔ پھر فرمایا: ''یاد رکھو کہ پہلے جو قومیں ہلاک ہوئی تھیں ان کی ہلاکت کی وجہ یہ تھی کہ ان کے یہاں امیروں کے لیے الگ قانون تھا، غریبوں کے لیے الگ۔ اگر کوئی طاقت ور انسان کوئی غلط کام کرتا تو اس کی گرفت نہ کی جاتی اور کوئی غریب اس کا ارتکاب کرتا تو اس پر آسانی سے قانون نافذ ہوجاتا۔ اس کے بعد آپؐ نے جو کلمات ارشاد فرمائے، واقعہ یہ ہے کہ وہ سوائے پیغمبر کے کسی کی زبان سے ادا نہیں ہو سکتے۔ آپؐ نے فرمایا:

لو ان فاطمة بنت محمد سرقت لقطعت یدھا (بخاری)

اللہ کی قسم، اگر محمد کی بیٹی فاطمہ بھی چوری کرتی تو میں اس کا ہاتھ کاٹ دیتا۔

یہ ہے مساوات۔ کسی میں حوصلہ ہے کہ زبان ہی سے یہ الفاظ ادا کرے!۔ صحیح بات یہ ہے کہ جو حقوق اسلام نے دیے ہیں، اگر ان کے مطابق عمل کیا جائے تو یہ دنیا امن و سکون کا گہوارہ بن جائے گی اور انسانوں کے درمیان رنگ و نسل، دولت و غربت اور حاکم و محکوم کا جو فرق و امتیاز ہے وہ ختم ہوجائے گا اور سب قانون کے سامنے ایک ہوں گے۔

عصر حاضر میں اسلام کے علمی تقاضے

مولانا سید جلال الدین عمری

یہ مولانا کے ان مقالات کا مجموعہ ہے جو مختلف اوقات میں سہ ماہی تحقیقات اسلامی علی گڑھ اور ماہ نامہ زندگی نو نئی دہلی میں شائع ہوتے رہے ہیں۔ ان مقالات میں واضح کیا گیا ہے کہ اگر ہم چاہتے ہیں کہ دنیا اسلام کی طرف متوجہ ہو اور اس کی حقانیت تسلیم کرے تو ہمیں اس کے لیے بھرپور علمی اور فکری تیاری کرنی ہوگی اور اسلام کی روشنی میں موجودہ دور کے مسائل کا حل پیش کرنا ہوگا۔ امید ہے کہ ان مقالات سے فکر و نظر کو تحریک ملے گی اور یہ اسلامی تحقیق کے عمل کو آگے بڑھانے میں معاون ثابت ہوں گے۔

صفحات: ۸۰ قیمت: ۵۲

اوراقِ سیرت

مولانا سید جلال الدین عمری

اس کتاب میں سیرتِ نبوی کے بعض اہم پہلوؤں پر روشنی ڈالی گئی ہے اور رسول اللہ ﷺ کی ذات گرامی اور تعلیمات کو ابدی ہدایت ورہنمائی کا ذریعہ قرار دیا گیا ہے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت، مختصر سیرت، سیرت دلیل رسالت، ختم نبوت، انفرادی دعوت، دعوت عام، صحابہ کرام کے قبول اسلام کے بعد آزمائشیں اور صبر وثبات، مواخاتِ مکہ، ہجرت حبشہ، غیر مسلم سرداران قبائل کا تعاون، ہجرتِ مدینہ کی تاریخی اہمیت، صلح حدیبیہ، مختلف علاقوں میں تبلیغی کوششیں، دعوتی مکاتیب نبوی اور عرب کے وفود دربار رسالت میں، جیسے عناوین پر تحقیقی انداز میں اظہار خیال کیا گیا ہے۔ آخر میں دنیائے علم پر آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے احسانات، فروغ علم کے لیے آپ کے اقدامات اور اصحاب صفہ کے تعلیمی و معاشی احوال زیر مطالعہ آئے ہیں۔

اس کتاب میں سیرت کے بعض موضوعات پر پہلی مرتبہ شرح وبسط کے ساتھ بحث کی گئی ہے۔ ان کے مطالعہ سے ذاتِ نبوی سے محبت میں اضافہ ہوتا ہے اور آپ کے نقش قدم کی پیروی کا جذبہ ابھرتا ہے۔

● سائز: $\frac{23 \times 36}{16}$ ● صفحات: 384 ● قیمت: 250.00

مرکزی مکتبہ اسلامی پبلشرز، نئی دہلی ۲۵

D-307, Dawat Nagar, Abul Fazl Enclave, Jamia Nagar, New Delhi-110025
Phone: 26981652, 26984347 Fax: 26987858
E-mail: mmipublishers@gmail.com • Website: www.mmipublishers.net

حضرات عمرو بن العاصؓ، خالد بن ولیدؓ اور عثمان بن طلحہؓ کا قبولِ اسلام
تاریخی جائزہ

پروفیسر محمد یٰسین مظہر صدیقی

اشاعتِ اسلام کا معاملہ مکی عہدِ نبوی سے مدنی دورِ ارتقاء تک مختلف مراحل سے گذرتا رہا ہے۔ اس کے بہت سے سماجی، نفسیاتی، مذہبی، سیاسی، علاقائی، قبائلی، اقتصادی اور دوسری نوعیتوں کے پیچیدہ مسائل وعوامل تھے۔ دینِ قدیم سے محبت اور آباء واجداد کے طریقہ سے وابستگی، نئے دین کو قبول نہ کرنے کی صرف ایک وجہ نہ تھی۔ اس محبت ووابستگی کے پیچھے اور بھی بہت سے اسباب وعوامل کارفرما تھے۔ ان سب کا تحقیقی مطالعہ کافی دقت طلب کام ہے۔ وہ دراصل مکی عہد میں نبوی مساعیٔ تبلیغ واشاعت اور افراد وطبقات کے قبولِ اسلام کے حقیقی وجوہ واسباب کی تحقیق ہے۔ اسی کے ساتھ وہ قریشی اکابر اور ان کے پیروکار عوام کے، اسلام اور اس کی اشاعت کے خلاف ردعمل کی بھی تحقیق ہے۔ مختلف اسباب وجوہ کا تہہ در تہہ سلسلہ اور دوسرے واقعات سے ان کا ارتباط زیرِ زمین یا ظاہری واقعات وحوادث کے پیچھے کارفرما رہا ہے اور ان کو ظاہر بیں نگاہیں دیکھ نہیں پاتیں اور وہ صرف ظاہر پر نظر رکھتی ہیں۔[۱]

ہجرتِ حبشہ مکی عہدِ نبوی کا ایک انقلاب آفریں مرحلہ ہے، جس نے نبوتِ محمدی اور اسلامی دعوت کو نظریاتی آفاقی فکر وخیال کی سطح سے بلند کر کے عالمی آفاقی عمل وواقعہ میں تبدیل کر دیا اور سرزمین عرب کی حدود سے بین الاقوامی سرحدوں کے پار ایک اسلامی امت برپا کر دی۔ ایک ایسی امت جو مکہ کی عظیم تر اسلامی امت کا ایک حصہ تھی اور

جغرافیائی طور سے الگ ہونے کے باوجود اس سے پوری طرح وابستہ تھی۔ ۲؎ سیرت نگاروں نے خاص طور سے ہجرتِ حبشہ کی روایاتِ م آخذ کو نقل کرنے کا کام کیا ہے لیکن ان کا تجزیہ کرنے کی کوشش نہیں کی۔ مورخین نے بھی یہی روایتی بیانیہ اختیار کیا ہے۔ ۳؎ بعض محققینِ سیرت وتاریخ نے حبشی امت اسلامی کے وجود، تشکیل اور ارتقا سے بحث کی ہے۔ ۴؎ اور بعض نے شاہِ حبشہ کی خدمت نبوی میں خدمات کا جائزہ لینے کی کوشش کی ہے ۵؎ لیکن ابھی تک اس موضوع پر کام کرنے کی ضرورت باقی ہے۔ بالکل اسی طرح جیسے دوسرے ابوابِ سیرت اور عطایائے نبوی کی تحقیق کرنے کی ضرورت ہے کہ معلومات وحقائق کا ایک بحرِ بیکراں م آخذ میں موجود ومتلاطم ہے۔

دینِ اسلام کی اشاعت میں حبشی امتِ اسلامی کا ایک مجموعی کردار وعمل رہا تھا اور دوسرا ان کے افراد کا کارنامہ تھا۔ ابھی تک مہاجرینِ حبشہ کی دعوت وعزیمت اور صلابت و حشمت کا روایتی بیان زیادہ کیا گیا ہے اور تجزیاتی مطالعہ کافی کم کیا گیا ہے۔ ۶؎ بلاشبہ وہ بھی ایک عمدہ اور قابل تعریف کام ہے، لیکن اس کا محدود پیرایہ اشاعتِ دین کے چوطرفہ پھیلاؤ کو صرف حدودِ حبشہ میں محدود کرتا ہے۔ روایتی سیرت نگاروں میں سے متعدد اکابر کا رویہ بڑا عجیب وغریب ہے کہ ان میں ابھی تک شاہ حبشہ نجاشی کا قبولِ اسلام ایک مسئلہ ہے۔ ۷؎ جب کہ مصادرِ حدیث وسیرت کی معتبر روایات وشواہد ان کے اسلام لانے کے شاہد عدل ہیں اور وہ ابھی تک روایات کے جنجال میں پھنسے ہیں۔ قدیم مصادرِ سیرت اور ان پر مبنی متاخر کتبِ سیرت حضرت نجاشی – اصحم بن ابجرؓ – ۸؎ کے اسلام لانے کی تصدیق کرتے ہیں۔ اس سے زیادہ ان کا وسیع المعانی اور وسیع الجہات کارنامہ یہ بھی تھا کہ وہ اپنے طور سے اسلام کی اشاعت کا باعث بھی بنے تھے۔

حضرت نجاشیؓ کے قبولِ اسلام نے مکی قریشی سماج اور خاص کر ان کے جہاں دیدہ اکابر کو لرزاں وترساں کر دیا تھا اور ان کے عوام وخواص کو مہاجرینِ قریش کی دیارِ حبشہ میں بہ سلامتِ دین وجاں سکون نے پہلے ہی کافی پیچ وتاب میں مبتلا کیا تھا۔ حبشہ کی سرزمین سے مسلم مہاجرین کو واپس لانے کی قریشی اکابر کی تمام کوششیں بری طرح

ناکام ہوچکی تھیں۔ ان سب واقعات و معاملات کا گہرا اثر غور وفکر کرنے والے افراد، خاص کر ان کے مدبرین اور اہل علم وعقل پر پڑا تھا۔ قریشی وفود کے اہم ترین قائد وسربراہ عمرو بن العاص سہمی سفارتی آداب وکارگزاری کے ماہر تھے۔ وہ اپنی حکمت وتدبر، سوجھ بوجھ اور دانش وعقل کے سبب 'داھیۃ العرب' کہلاتے تھے۔ وہ اپنی عبقری شخصیت اور سیاسی قائدانہ صلاحیت اور تجارتی روابط ومہارت کے سبب حضرت نجاشیؓ کے ذاتی دوست بھی بن گئے تھے۔ ان کے مدتوں کے تعلقات اور روابط سے زیادہ وفودِ قریش میں قیادت اور تجارتی کاروانوں کی شرکت نے ان کو گہری بصیرت عطا کی تھی۔ روایاتِ سیرت سے واضح ہوتا ہے کہ وہ ہجرتِ حبشہ اور اس کے بعد کے واقعات سے بہت کچھ سوچنے پر مجبور ہوگئے تھے اور صرف وہی نہیں، بلکہ ان کے طبقہ کے قائدینِ قریش بالخصوص خالد بن ولید مخزومی بھی ان تمام واقعات سے متاثر تھے۔ ان کے تاثر اور ذہنی وفکری کشاکش کا ذکر ان کے قبول اسلام کی روایات وواقعات میں ملتا ہے۔۹؎

اردو کتبِ سیرت میں مذکور روایات

حضرات خالد بن ولید مخزومی، عمرو بن العاص سہمی اور عثمان بن طلحہ عبدری رضی اللہ عنہم کے قبولِ اسلام کا ذکر مختلف انداز سے ملتا ہے۔ اول مختصر ذکر اور جستہ جستہ واقعات کے عنوان سے علامہ شبلی جیسے محققینِ سیرت نے کیا ہے۔ ان کا بیان بہت تشنہ ہے کہ وہ حضرت خالد بن ولیدؓ کے دورِ جاہلیت کے فوجی پس منظر کو بیان کرکے صلح حدیبیہ کے بعد مدینہ جانے، راستہ میں حضرت عمرو بن العاص سے ملنے اور دونوں کے اسلام لانے کے قصد سے مدینہ جانے اور بارگاہِ رسالت میں پہنچنے پر اسلام قبول کرنے کے سلسلۂ واقعات پر مشتمل ہے اور بعد میں ان کی اسلامی خدمات بھی مذکور ہیں۔ ۱۰؎ 'برادرانِ قریش کا قبولِ اسلام' مولانا صفی الرحمن مبارک پوری کی تین سطری بحث کا دل چسپ عنوان ہے، جو اسے اوائل ۷ھ کا واقعہ قرار دیتا ہے، جب کہ حاشیہ میں ان کے قبولِ اسلام کی مختلف تاریخوں کا حوالہ ہے اور اپنی پسندیدہ تاریخ کے دلائل بعض واقعات سے فراہم کیے ہیں۔ ۱۱؎ ان کے علاوہ بعض دوسرے اہل قلم بھی اس زمرہ میں شمار کیے جاسکتے ہیں۔

دوسرا طبقہ ان اہلِ قلم کا ہے جو حضرت خالد بن ولید مخزومیؓ کے قبولِ اسلام کی روایات تفصیل سے بیان کرتے ہیں۔ ان میں مولانا محمد ادریس کاندھلوی نے 'اسلامِ خالد بن الولید وعثمان بن طلحہ وعمرو بن العاص' کے جامع عنوان سے ان تینوں اکابر قریش کے اسلام لانے کا ذکر کیا ہے۔ تاریخ قبولِ اسلام کے ضمن میں اختلافاتِ روایات کا ذکر کرکے صلح حدیبیہ اور غزوۂ موتہ [کذا] کی درمیانی مدت کو حضرت خالد کے قبول اسلام کی تاریخ بتائی ہے اور پھر ان کے قبولِ اسلام اور ان کی ذہنی کشاکش کا ایک طویل قصہ لکھا ہے، جو ابن کثیر کی البدایۃ والنہایۃ (۴/ ۱۳۸—۱۴۰) اور سیوطی کی خصائصِ کبریٰ (۱/ ۲۴۸) پر مبنی ہے۔ انھوں نے یہ تصریح نہیں کی کہ یہ روایت اصلاً کس قدیم ماخذ کی ہے۔۱۲ مولانا عبدالرؤف داناپوری نے یہ عنوان لگایا ہے: ''اسلام خالدؓ بن الولید وعمرو بن العاصؓ'' اور اول الذکر کے قبول اسلام کی تاریخ صفر ۷ھ متعین کی ہے (یعنی غزوۂ موتہ سے دو مہینہ [کذا] پہلے مسلمان ہوئے اور مدینہ آئے۔) حضرت خالدؓ کے حسب ونسب اور ان کے قریشی منصب 'قبہ' اور 'اعنۃ الخیل' کے حوالے سے ان کی فوجی لیاقت کا ذکر کیا ہے، اس کے بعد حضرت عمرو بن العاصؓ کے حکیم و عاقل اور 'داہیۃ قریش' ہونے کا ذکر کرکے وفودِ قریش میں حضرت نجاشیؓ کے دربار میں قیادت، ان کی عمرِ مبارک اور بعد میں عہدِ نبوی اور عہدِ خلافت میں ان کی امارت وسیاست کا تذکرہ کیا ہے اور دوسرے پیراگراف میں زبیر بن البکار سے ماخوذ اصابہ میں روایتِ ابن حجرؒ بیان کی، جس کے مطابق ان کے قبول میں تاخیر کا سبب جہاں دیدہ اکابرِ قریش کی ذہنی وفکری اور سیاسی و دینی سلطانی اور ان کی تابع داری کا ذکر کیا ہے۔ بعد میں غور وفکر نے ان کو صحیح راہ دکھائی۔ داناپوری نے زبیر بن البکار، واقدی اور ابن اسحاق کی متفقہ روایت پر پہلے حضرت نجاشیؓ کے ہاتھ پر اسلام قبول کرنے کا ذکر کیا ہے، مگر اسی کے ساتھ اصابہ ابن حجرؒ میں بغوی کی 'بسند جید روایت' نقل کی ہے کہ ''حضرت عمرو بن العاص نے حضرت جعفر کے ہاتھ پر اسلام قبول کیا''۔ ابن اثیر کی اسد الغابہ سے ایک اور روایت نقل کی ہے کہ حضرت نجاشیؓ کی رسالتِ محمدی کی تصدیق سے متاثر ہوکر ہجرت کرکے مدینہ آئے اور

عام خیبر میں مسلمان ہوئے۔ دوسری روایت بھی بیان کی ہے کہ ''وہیں مسلمان ہوگئے''، اس کے بعد مدینہ آئے اور اس میں ہے کہ صفر ۸ھ میں فتح مکہ سے چھ ماہ پہلے مسلمان ہوئے، اس کے بعد رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ خالد بن الولید اور عثمان بن طلحہ عبدری راستہ میں ان کے ساتھ ہوگئے۔ وہ بھی اسلام قبول کرنے جارہے تھے۔ پہلے خالد نے بیعت کی، ان کے بعد انھوں نے اس شرط پر بیعت کی کہ جو کچھ پہلے ہوا وہ معاف ہوجائے ۔۔۔'' ۱۳؎ مولانا سید فضل الرحمن (مصنفِ ہادی اعظم) نے 'حضرت خالد بن ولیدؓ کا اسلام' عنوان لگایا ہے۔ مآخذ کے حوالے سے مختلف تاریخوں کا ذکر کرکے صحیح قول یہ بتایا ہے کہ حدیبیہ اور فتح مکہ کے دوران اسلام لائے۔ اس کے بعد واقدی کے حوالے سے ان کے قبول اسلام کی وہی طویل روایت بیان کی ہے جو کاندھلوی نے نقل کی ہے اور جس میں حضرت خالدؓ کے مختلف اکابر قریش ــ صفوان بن امیہ جمحی، عکرمہ بن ابی جہل مخزومی، عثمان بن طلحہ عبدری ــ سے ملاقات کرنے اور ان کو قصدِ مدینہ کے لیے آمادہ کرنے کا مفصّل بیان ہے۔ اس کے مطابق حضرت خالدؓ کے ساتھ موخرالذکر نے رفاقت کی۔ ان دونوں سے مقام ہدہ پر حضرت عمرو بن العاصؓ سے اچانک ملاقات ہوئی، جو اسی مقصد سے مدینہ جارہے تھے۔ تینوں نے ساتھ اسلام قبول کیا۔ مدینہ میں حضرات خالد و عمرو بن العاصؓ کے استقبال و قیام اور رسولِ اکرم ﷺ کی مسرت کا مزید ذکر ہے۔ خاتمہ پر حضرت عمرو بن العاص کا یہ قول نقل کیا ہے کہ ہم تینوں نے صفر ۸ھ کے شروع میں دستِ نبوی پر اسلام قبول کیا۔ اس پورے قصہ میں حضرت نجاشیؓ کے ہاتھ پر اسلام قبول کرنے کا حوالہ نہیں دیا ہے اور روایت واقدی، ابن کثیر اور حیاۃ الصحابہ سے لی ہے۔ ۱۴؎ حکیم محمود احمد ظفر (مؤلف سیرت خاتم النبیین) نے پہلے 'سیدنا خالد بن ولید کا قبولِ اسلام' کے عنوان سے یہ واقعہ اسی طرح البدایۃ والنہایۃ سے پوری تفصیل سے کاندھلوی اور سید فضل الرحمن کی مانند نقل کیا ہے، مگر اس پر ان کا ابتدائی بیان بہت اہم ہے، جو سب پر اضافہ ہے۔ اس کے مطابق حضرت خالد بن ولیدؓ نے عمرۃ القضاء سے کاروانِ رسالت کی مدینہ واپسی کے بعد قریش کے

ایک عام اجتماع میں خطبہ دیا تو اس میں فرمایا:

''ان محمداً لیس بساحر ولا شاعر وان کلامه کلام رب العالمین، فحق علیٰ کل ذی لُبّ ان یتبعه''

(محمد [ﷺ] نہ ساحر ہیں، نہ شاعر، بلکہ وہ جو کلام پیش کرتے ہیں وہ رب العالمین کا کلام ہے۔ اس لیے ہر صاحب عقل پر لازم ہے کہ ان کی اتباع کرے)

قریشی اکابر میں سے عکرمہ بن ابی جہل مخزومی نے (جو خالد کے جگری دوست تھے) مخالفت کی اور ان کو عار دلایا، لیکن حضرت خالدؓ نے اپنے قبولِ حق کا اعلان کر دیا۔ اس سے مکہ میں ہلچل مچ گئی اور قائدِ قریش ابوسفیان نے حضرت خالدؓ کو بلا کر نہ صرف ان کی سرزنش کی، بلکہ زدوکوب بھی کیا۔ اس موقع پر عکرمہ مخزومی نے ابوسفیان کو روکا اور اظہارِ حقیقت کیا کہ خطرہ تو مجھے بھی وہی ہے جو تم کو ہے، ورنہ خالد کی طرح میں دین کو قبول کر لیتا۔ مجھے اندیشہ ہے کہ کہیں ایک سال کے اندر اندر مکہ کے سب لوگ دین محمد ﷺ کو قبول نہ کر لیں۔'' اس کے بعد حضرت خالدؓ کی ذہنی کش مکش اور اس کے تجزیہ کا ذکر ہے، جس کا حاصل یہ ہے کہ حضرت خالدؓ کو رسولِ اکرم ﷺ کے خلاف ہر مہم میں شکست کا ملال ہوتا، جو ندامت میں بدلتا اور ان کو اپنی ناکامی اور قریشی ہزیمت اور دینِ اسلام کی بالادستی کا یقین ہوتا جاتا۔ صلح حدیبیہ میں آپؐ کو صلوٰۃ الخوف پڑھاتے دیکھا تو مرعوب ہو گیا اور حملہ نہ کر سکا۔ صلحِ حدیبیہ کے معاہدہ کو حضرت خالدؓ نے قریش کی تمام سطوت و شوکت کو خاک میں ملنے سے تعبیر کیا ہے۔ ان کا دوسرا اہم تاثر یہ تھا کہ 'شاہِ حبشہ بھی آپؐ کا مطیع و منقاد ہو گیا ہے ۔۔۔ میں بہت پریشان تھا کہ کیا کیا جائے۔ ایک خیال آیا کہ ہرقل شاہِ روم کے پاس جا کر نصرانی ہو جاؤں اور شاہانِ عجم کے تابع ہو کر اپنی زندگی کے دن گزاروں۔ پھر خیال آیا کہ چند روز اپنے وطن میں ہی رہ کر دیکھوں ۔۔۔ اسی خیال میں تھا کہ سرکارِ دوعالم ﷺ عمرۃ القضا کے لیے مکہ تشریف لائے ۔۔۔ میں مکہ سے باہر چلا گیا اور اِدھر اُدھر چھپ گیا ۔۔۔ میرا بھائی ولید بن ولید، جو آپؐ کے ہم راہ تھا، مجھے تلاش کرنے لگا ۔۔۔ میں اسے نہ ملا تو اس نے ایک خط لکھا'۔ اس خط

میں ولید نے حضرت خالدؓ کی عقل و دانش کی تعریف لکھی تھی اور ان کو اسلام لانے کی دعوت دی تھی اور آپؐ کی پیشین گوئی بھی بیان کی تھی۔ اس خط نے اور خاص کر کلماتِ نبوی نے میری رغبت میں اضافہ کیا اور میں نے مدینہ کا ارادہ کرلیا۔ باقی تفصیلات ویسی ہی ہیں۔ ۱۵؎ اس میں حضرت عمرو بن العاصؓ کے مقامِ ہدہ سے ان کے ساتھ شریکِ سفر ہونے کا ذکر اس کے بعد ہے اور حضرت نجاشیؓ کا واقعہ اس میں مذکور نہیں ہے۔ جب کہ ظہور احمد اظہر نے ان تینوں اکابر قریش کے قبولِ اسلام میں حضرت عمرو بن العاصؓ کے واقعہ کو ابن حجر کی روایت زبیر بن بکار اور الواقدی، ابن عبدالبر، ابن کثیر اور ذہبی کے حوالے سے نقل کی ہے، جس میں حضرت عمرو بن العاصؓ کے حضرت نجاشیؓ کے ہاتھ پر اسلام قبول کرنے کا مفصل بیان ہے۔ اس میں بعض تفصیلات و واقعات بہت اہم ہیں۔ ان کو بہ شکل نکات ذیل میں درج کیا جاتا ہے:

۱— اسلام کے خلاف عناد اور اس کے سبب غزواتِ بدر و احد و خندق میں شرکت۔

۲— اپنی مساعی کی ناکامی اور قریش پر رسولِ اکرم ﷺ کی فتح کا یقین، تنہائی و عزلت کی زندگی۔

۳— صلح حدیبیہ کے بعد اگلے سال مکہ میں نبوی فاتحانہ داخلہ اور مکہ یا طائف میں پناہ نہ ملنے کا یقین اور صرف فرار کا راستہ۔

۴— اسلام کسی طور پر قبول نہ کرنے کا خیال۔ اپنی قوم سے مشورہ اور رائے کہ ہم نجاشی کے پاس پناہ لے لیتے ہیں، تاکہ اگر اسلام کو فتح ملے تو نجاشی کے طفیل ہم محفوظ ہوں گے اور یہ محمد ﷺ کے قبضہ سے بہتر ہوگا۔ دوستوں نے رائے پسند کی۔

۵— نجاشی کے لیے تحائف جمع کرکے دربار حبشہ میں پہنچے۔ اسی زمانے میں حضرت عمرو بن امیہ ضمریؓ وہاں حضرت ام حبیبہ بنت ابی سفیانؓ کا پیغام لے کر آئے۔

۶— نجاشی کے پاس دوبارہ خلوت میں گئے، اور سفیرِ نبوی کو قتل کرنے کی اجازت مانگی، تاکہ اشراف قریش کے قتل کا بدلہ لیا جائے۔ حضرت نجاشیؓ نے غصہ سے حضرت عمرو بن العاصؓ کی ناک پر ایک گھونسا مار کر انھیں زخمی کردیا۔

۷– حضرت عمروؓ نے بادشاہ کے غضب کو ٹھنڈا کرنے کے لیے معافی مانگی، جس کے بعد نجاشی نے ان کا منہ دھلوا کر نئی خلعت پہنائی۔

۸– حضرت نجاشیؓ نے رسولِ اکرم ﷺ پر اسی ناموس اعظم کے نازل ہونے اور پیغام حق لانے کا ذکر کیا جو حضرات موسیٰ وعیسیٰ علیہما السلام پر لاتا تھا اور آپؐ کی رسالت کی تصدیق کر کے میری عقل و دانش کی دہائی دی اور اسلام لانے کی کھلی دعوت دی۔

۹– حضرت عمرو بن العاص سہمیؓ نے صحت و صداقتِ نبوی کے ساتھ غلبۂ اسلام کی خبر سنی تو حق کو پہچان کر ان کے ہاتھ پر اسلام قبول کیا اور بیعت کی۔ تخلیہ سے نکل کر کسی ساتھی کو اندر کی بات نہ بتائی اور کشتی کے ذریعہ واپس ہوئے۔

۱۰– مصنف کے مطابق یہ بیانِ حضرت عمرو بن العاص سہمیؓ واقدی اور بیہقی سے ذہبی اور ابن کثیر نے نقل کیا ہے ۔۔۔۔۱۶؎

مآخذِ اصلی کی روایات

اس موضوع پر ابن اسحاق اور واقدی کی روایات قدیم ترین ہیں۔ ان دونوں نے اپنی اپنی روایات اپنی اسناد سے دی ہیں، جس کی وجہ سے ان کا اصل منبع معلوم ہوتا ہے اور وہ متصل و مرفوع بن جاتی ہیں۔ ابن اسحاق کی سند یہ ہے: ''حدثنی یزید بن ابی حبیب عن راشد مولیٰ حبیب بن ابی اوس الثقفی عن حبیب بن ابی أوس الثقفی قال: حدثنی عمرو بن العاص من فیہ۔۔۔'' اس کا مطلب واضح ہے کہ حضرت عمرو بن العاصؓ نے اپنی زبانِ مبارک سے حبیب بن ابی اوس ثقفی سے بیان کیا اور ان کے مولیٰ راشد نے ان سے نقل کیا اور ان سے یزید بن ابی حبیب نے اور موخرالذکر نے ابن اسحاق سے پورا واقعہ بیان کیا۔۔۔ واقدی کی روایت کی سند یہ ہے: ''حدثنا عبدالحمید بن جعفر عن ابیہ قال: قال عمرو بن العاص۔۔۔'' شروع کی یہ سند منقطع ہے، مگر پورے واقعہ کے بیان کے بعد واقدی نے اس کی دوسری متصل سند دی ہے: ''قال عبدالحمید: فذکرت ھذا الحدیث لیزید بن ابی حبیب فقال: أخبرنی راشد مولیٰ حبیب بن ابی أویس [کذا] عن حبیب بن اوس الثقفی عن عمرو، نحو ذلک''۔

حضرت عمرو بن العاص سہمیؓ کے قبول اسلام کے بارے میں دونوں اصل مآخذ کی سندیں آخر میں نہ صرف متصل و مرفوع بن جاتی ہیں، بلکہ دونوں اپنی اصل میں یکساں اور ایک دوسرے کی مؤید ہیں، البتہ ان کے بعض رواۃ کے اسماء گرامی میں فرق ملتا ہے۔ جیسے واقدی کی متصل سند میں راشد کو حبیب بن ابی اویس لکھا گیا ہے، جب کہ ابن اسحاق کی سند میں وہ حبیب بن ابی اوس ثقفی ہیں۔ واقدی کی اولین سند میں عبدالحمید بن جعفر سے اور ان کی اپنے والد ماجد سے روایت کرنے کا ذکر ہے۔ اس طرح وہ ایک اور سند ہے۔ ان روایتی شہادتوں سے ان دونوں اماموں کی روایات مستند اور قابل اعتبار بن جاتی ہیں۔ دوسری درایتی اور متنی شہادتیں الگ ہیں۔

ابن اسحاق/ ابن ہشام کی اس روایت میں کسی تاریخ کا ذکر نہیں ہے، مگر اسے انھوں نے 'مقتل سلام بن ابی الحقیق' کے معاً بعد رکھا ہے۔ اس کی بھی تاریخ نہیں دی، البتہ اسے غزواتِ خندق و بنی قریظہ کے بعد بیان کیا ہے اور اسلام عمرو بن العاص و خالد بن الولید کے واقعہ کے بعد فتح بنی قریظہ کا زمانہ ذوالقعدہ اور اوائل ذی الحجۃ بیان کیا ہے۔ اس طرح وہ سنہ ۵ ہجری کا واقعہ بنتا ہے۔ واقدی نے اپنی اول الذکر سند پر مبنی روایت کے بعد حضرت یزید بن ابی حبیب سے جو وضاحتی اور تائیدی سند نقل کی ہے اس میں ایک اہم اضافہ ہے۔ عبدالحمید راوی کا بیان ہے کہ میں نے یزید سے کہا کہ آپ سے حضرات عمرو بن العاص و خالد بن الولید کے آنے کی توقیت نہیں کی گئی؟ تو انھوں نے کہا: نہیں، لیکن وہ فتح سے ذرا قبل کا واقعہ ہے۔ لیکن میرے باپ نے خبر دی کہ تینوں اکابر صفر کے نئے چاند ۸ ہجری میں مدینہ آئے تھے۔ واقدی نے حضرت خالدؓ کے قبولِ اسلام کی جو طویل روایت حضرت ہشام بن عروہ کی سند سے دی ہے (جس کا ذکر بعد میں آئے گا) اس کی تاریخ 'صفر سنۃ ثمان ۸ھ' واقعہ کے بیان کے بعد دی ہے۔ اس سے اول الذکر تاریخ کی تائید ہوتی ہے۔ لیکن اس تاریخ کو قبول کرنے میں کئی قباحتیں ہیں۔ ان پر بحث پہلی اور دوسری دونوں روایتوں کے متنی تجزیے کے بعد آئے گی کہ اس سے تاریخ کی صحیح اور حتمی تعیین کی جاسکتی ہے۔ ۱۸؎

اسلام اکابرِ ثلاثہ کی متفقہ روایات

امامانِ سیرت (ابن اسحاق اور واقدی) کی متفقہ روایات میں اصل نکات پر تو اتفاق ملتا ہے، جب کہ واقدی کی روایت میں چند تمہیدی اضافے پائے جاتے ہیں۔ موخر الذکر نے حضرت عمرو بن العاص سہمی کا بیان اس طرح شروع کیا ہے کہ ''میں اسلام کا مخالف و معاند تھا، لہٰذا مشرکوں کے ساتھ غزواتِ بدر و احد و خندق میں شریک رہا اور ہر بار نجات پاتا رہا۔ پھر میں نے سوچا کہ کب تک ایسا کرتا رہوں گا؟ واللہ محمد ﷺ قریش پر ضرور غالب آ جائیں گے، لہٰذا اپنا مال قبیلہ کے پاس چھوڑا اور گوشۂ عزلت میں جا بیٹھا اور لوگوں سے کوئی تعلق نہ رکھا، لہٰذا حدیبیہ اور اس کی صلح میں شریک نہ تھا۔ رسول اللہ ﷺ صلح کے بعد واپس ہوئے اور قریش مکہ واپس آئے تو میں نے دل میں کہا کہ اگلے سال محمد ﷺ مکہ میں اپنے صحابہ کے ساتھ داخل ہوں گے اور مکہ میں کوئی منزل ہوگی نہ طائف میں، لہٰذا نکل بھاگنے (خروج) کے سوا اور کوئی چارہ نہ رہے گا، کیوں کہ میں اسلام کا اتنا مخالف تھا کہ طے کر لیا تھا کہ تمام قریش نے اسلام قبول کر لیا تو بھی میں اسلام نہ لاؤں گا۔ لہٰذا میں مکہ آیا اور اپنی قوم کے مردانِ کار جمع کیے۔۔۔'' یہیں سے ابن اسحاق کی روایت واقدی سے متفق ہو جاتی ہے، جس کا تمہیدی جملہ ہے کہ جب ہم احزاب کے ساتھ خندق سے واپس ہوئے تو میں نے قریش کے مردوں (رجالاً) کو جمع کیا۔۔۔''۔۱۹

بعض الفاظ و کلمات اور تراکیب کے اختلاف کے باوجود ان دونوں روایات میں کمال کی مماثلت پائی جاتی ہے۔ ان سے ایک دوسرے کی تصدیق و تائید ہوتی ہے۔ ان دونوں روایات کے مشترک حاصل معانی کو چند نکات کی شکل میں پیش کیا جاتا ہے:

— حضرت عمرو بن العاص سہمیؓ نے اپنی قوم کے لوگوں سے اپنی بارے میں رائے پوچھی تو سب نے ان کی فراست و دانش اور سوجھ بوجھ کی تعریف کی۔۲۰

— انھوں نے اپنی قوم کو بتایا کہ میری رائے تم جانتے ہو کہ محمد [ﷺ] کا

معاملہ ایسا بلند و بالا ہوجائے گا جو ناپسندیدہ ہوگا، لہٰذا اب میری رائے یہ ہے کہ ہم سب نجاشی کے ملک میں ان سے جاملیں۔ اگر محمد [ﷺ] غالب آتے ہیں تو ہم نجاشی کے پاس ہوں گے اور ان کے ماتحت بننے سے بہتر ہوگا کہ ہم نجاشی کی رعایا بن جائیں۔ اور اگر ہماری قوم غالب آ گئی تو جیسا کہ ہم جانتے ہیں، وہ ہمارے لیے بہتر ثابت ہوگی۔''
سب نے اس رائے سے اتفاق کیا۔

– قومی اتفاق سے نجاشی کے لیے پسندیدہ ہدایا جمع کیے گئے، جو چمڑے پر مشتمل تھے اور بہت سی کھالیں تھیں۔

– ہم مکہ سے روانہ ہوکر اپنے اصحاب کے ساتھ نجاشی کے پاس پہنچے۔

– جس دن ہم وہاں پہنچے اسی دن نجاشی کے پاس رسول اللہ ﷺ کے سفیر حضرت عمرو بن امیہ ضمریؓ بھی پہنچے تھے۔ ان کو رسولِ اکرم ﷺ نے ایک گرامی نامے کے ذریعہ یہ ہدایت دی تھی کہ حضرت ام حبیبہ بنت ابی سفیانؓ سے ان کا نکاح کرادیں۔ وہ ہمارے سامنے دربار میں آئے اور فرمانِ نبوی پیش کیا۔ ابن اسحاق میں ہے کہ آپؐ نے حضرت جعفر اور ان کے اصحاب کے بارے میں گرامی نامہ ارسال کیا تھا۔ ۲۱؎

– جب حضرت عمرو بن امیہ ضمریؓ دربار سے چلے گئے تو میں نے اپنی قوم کے سامنے تجویز رکھی کہ اگر میں شاہ نجاشی سے تخلیہ میں سفیر نبوی کو مانگ لوں اور قتل کردوں تو قریش کے زخموں کا اندمال ہوجائے گا۔ سب نے اسے پسند کیا۔

– میں نے نجاشی کی خدمت میں حاضر ہوکر حسبِ دستور سجدۂ تعظیمی کیا۔ نجاشی نے دوست کہہ کر استقبال کیا، اپنی مسند کے قریب بٹھایا اور تحائف و ہدایا کے بارے میں پوچھا۔ وہ سب پیش کیے تو نجاشی نے ان میں سے بعض اپنے بطریقوں میں تقسیم کیے اور بقیہ خزانۂ عامرہ میں داخل کرکے ان کا اندراج کروایا۔ ۲۲؎ ابن اسحاق میں ہدایا کے قبول کرنے کا ذکر ہے، باقی کارروائی کا نہیں۔

– نجاشی کا مزاج دیکھ کر میں نے اس سے سفیر نبوی کو قتل کرنے کے لیے مانگا کہ یہ اس شخص کا سفیر ہے جس نے ہمارے اشراف و سربرآوردہ لوگوں کو قتل کیا ہے۔

— جیسے ہی میں نے شاہ نجاشی سے درخواست کی، وہ غضب ناک ہو گیا۔ اس نے اس زور سے میری ناک پر مکا مارا کہ اس سے خون بہنے لگا۔ اس سے میرے کپڑے آلودہ ہو گئے۔ مجھ کو اتنی ذلت کا احساس ہوا کہ تمنا کی، کاش زمین پھٹ جاتی اور میں اس میں سما جاتا۔

— میری سخت ندامت و معذرت پر نجاشی کا غصہ فرو ہوا اور وہ کچھ شرم سار بھی ہوا۔ اس نے مجھ سے کہا: اے عمرو! تم مجھ سے رسول اللہ ﷺ کے سفیر کو طلب کرتے ہو۔ وہ ایسے رسول ہیں کہ ان کے پاس وہی ناموسِ اکبر آتا ہے جو حضرات موسیٰ و عیسیٰ بن مریم علیہما السلام کے پاس آتا تھا۔ ابن اسحاق کی روایت میں صرف حضرت موسیٰ علیہ السلام کا ذکر ہے۔

— میرے استفسار پر کہ کیا سچ مچ ایسا ہے؟ شاہ نجاشی نے مزید تصدیق کر کے مجھے ملامت کی: ''تمہاری خرابی ہو اے عمرو: میری بات مانو اور آپؐ کی پیروی کرو۔ واللہ وہ حق پر ہیں۔ وہ اپنے مخالفوں پر ضرور غالب آ جائیں گے، جیسے حضرت موسیٰ علیہ السلام فرعون اور اس کے لشکر پر غالب آ گئے تھے''۔ واقدی میں یہ اضافہ ملتا ہے کہ اس کلام سے قبل حضرت عمروؓ کو اپنے دل کی تبدیلی کا احساس ہوا۔ انھوں نے اپنے دل میں کہا: ''اس حق کو عرب و عجم نے پہچان لیا ہے اور تو اس کی مخالفت کرتا ہے''۔ پھر شاہ سے میں نے پوچھا: کیا آپ اس کی گواہی دیتے ہیں۔ نجاشیؓ نے فرمایا: ہاں اے عمرو! میں اللہ کے پاس بھی گواہی دیتا ہوں۔۔۔''

— تب میں نے شاہ سے عرض کیا: کیا آپ مجھ سے رسول اللہ ﷺ کے لیے اپنے دستِ مبارک پر بیعت لے سکتے ہیں؟ شاہ نے اثبات میں جواب دے کر اپنا ہاتھ پھیلا دیا اور میں نے ان سے اسلام کی بیعت کر لی۔ شاہ نے میرے خون آلود کپڑے بدلوائے، میرے جسم سے خون صاف کرایا اور عمدہ لباس شاہی عطا کیا۔ یہ موخر الذکر حصہ صرف واقدی میں ہے۔

— دربارِ خاص سے میں باہر اپنے اصحاب کے پاس آیا اور ان سے اپنا اسلام چھپایا، کیوں کہ میری رائے بدل چکی تھی۔ واقدی میں یہ اضافہ ہے کہ رفقاء کے سوال کے جواب میں کہا (پہلی بات کرنا مناسب نہ تھا) ''پھر بات کروں گا''۔ میرے جسم پر

شاہی لباس دیکھ کر وہ مطمئن ومسرور ہوگئے۔ میں ساتھیوں سے ایک ضرورت کا بہانہ کرکے ان سے جدا ہوگیا اور وہاں سے سیدھا کشتیوں کے مقام پر پہنچا۔ وہاں ایک کشتی مل گئی جس پر بڑے بڑے لٹھے لدے تھے۔ ان کے ساتھ کشتی پر سوار ہوکر میں الشقبۃ ۲۴ تک آیا۔ اس وقت میرے پاس جو مال (نفقة) تھا وہاں اس سے ایک اونٹ خریدا، تاکہ مدینہ پہنچ سکوں۔ مرالظہران ۲۵ پہنچ کر جب الہدہ ۲۶ نامی وادی میں پہنچا تو دو آدمیوں سے ملاقات ہوگئی، جو وہاں قیام کا انتظام کررہے تھے: ایک خیمہ کے اندر تھا اور دوسرا دو سواریوں کو تھامے ہوئے تھے۔ میں نے غور سے دیکھا تو وہ خالد بن ولید تھے۔ میں نے ان سے پوچھا: اے ابوسلیمان! کہاں کا ارادہ ہے۔ انھوں نے بتایا کہ محمد ﷺ کی خدمت میں حاضری کا۔ لوگ اسلام میں داخل ہو چکے۔ اب صرف چوکر باقی بچا ہے۔ اللہ کی قسم، اگر ہماری یہی حالت رہی تو وہ ہماری گردنوں کو اسی طرح پکڑلیں گے جیسے گوہ کی گردن اس کے بھٹ میں پکڑلی جاتی ہے۔ میں نے کہا: میرا بھی یہی ارادہ ہے کہ حاضر خدمت ہوکر اسلام لاؤں۔ خیمہ سے عثمان بن ابی طلحہ نکلے اور میرا خیر مقدم کیا... ہم نے اسی منزل میں قیام کرکے آگے کا سفر ساتھ ساتھ کیا۔

واقدی کی اس مفصل روایت کے مقابل ابن اسحاق میں اختصار ہے کہ جب میں رسول اللہ ﷺ کی جانب اسلام لانے کے لیے رواں دواں تھا تو خالد بن ولید سے ملاقات ہوئی۔ یہ واقعہ فتح مکہ سے ذرا قبل کا ہے، جب وہ مکہ سے آرہے تھے۔ حضرت عمروؓ کے استفسار پر حضرت خالدؓ نے فرمایا: عصا سیدھا ہوگیا اور وہ شخص بلاشبہ نبی ہیں۔ میں ان کے پاس اسلام لانے جارہا ہوں۔ ابن اسحاق نے اس متفقہ روایت میں حضرت عثمان بن طلحہؓ کا ذکر نہیں کیا ہے۔ اس کی جگہ انھوں نے ایک معتبر راوی کی سند پر ایک انفرادی روایت میں ان کے حضرات خالد وعمرو رضی اللہ عنہما کے ساتھ ہونے کا ذکر کیا ہے اور اس معاملہ کے بارے میں ابن الزبعری سہمی کے چار شعر نقل کیے ہیں۔

— ابن اسحاق کی روایت میں ہے کہ حضرات خالد بن ولید اور عمرو بن العاص رضی اللہ عنہما مدینہ پہنچے اور خدمت میں حاضر ہوکر اسلام لائے پہلے حضرت خالدؓ نے

بیعت کی۔ پھر حضرت عمرو بن العاصؓ نے قریب جا کر بیعت کی اور عرض کیا کہ میرے گزشتہ گناہ معاف کر دیے جائیں۔۔۔ الخ

– واقدی کی روایت میں حضرت عمرو بن العاصؓ کے مدینہ پہنچنے اور وہاں کے واقعات کا مفصل بیان ہے۔ وہ کہتے ہیں کہ ہم مدینہ پہنچے تو جب ہم مقام بئر ابی عذبہ پر تھے کہ ایک شخص کا قول سنا جو چیخ چیخ کر کہہ رہا تھا: ''یا رباح، یا رباح''۔ اس سے ہم نے نیک شگون لیا اور اس کو ہمیشہ یاد رکھا۔ ہم روانہ ہوئے تو اس شخص کو مزید کہتے ہوئے سنا: قد اعطت مکۃ المقادۃ بعد ھذین (ان دونوں کے بعد اب مکہ نے ماتحتی قبول کر لی) میرا خیال ہے کہ اس نے مجھے اور خالد کو اس سے مراد لیا تھا۔ پھر وہ تیزی سے مڑا اور مسجد کی طرف چلا گیا۔ خیال ہوا کہ وہ رسول اللہ ﷺ کو ہماری آمد کی خوش خبری دینے گیا ہے۔ ہمارا یہ خیال سچ نکلا۔ حرہ میں ہم نے قیام کیا اور اپنے عمدہ لباس زیب تن کیے۔ اسی دوران عصر کی اذان ہوگئی اور ہم ساتھ روانہ ہوئے۔

– جب ہم آپؐ کے روبرو ہوئے تو چہرہ انور جگمگا رہا تھا اور آپ کے اردگرد جمع مسلمان ہمارے اسلام لانے سے مسرور تھے۔ پہلے خالد بن ولید بڑھے اور بیعت کی، پھر عثمان بن طلحہ نے آگے بڑھ کر بیعت کی، پھر میں بڑھا۔ آپ کے قدموں کے پاس بیٹھا تو شرم و ندامت سے سر اٹھا کر آپؐ کی طرف نہ دیکھ سکا۔ میں نے آپ سے اس شرط پر بیعت کی کہ میرے تمام سابقہ گناہ معاف کر دیے جائیں۔ آپؐ نے فرمایا: اسلام ماقبل کے تمام گناہوں کو ڈھا دیتا ہے اور ہجرت پہلے کے تمام گناہوں کو مٹا دیتی ہے۔ اس کے بعد واقدی نے عہد نبوی اور عہد خلافت راشدہ میں ان کے اقدامات اور نبوی سلوک کا ذکر کیا ہے۔ ۲۷

حضرت خالدؓ کے قبولِ اسلام کی روایت

امام واقدیؒ نے حضرت عمرو بن العاص سہمیؓ کی روایت کے بعد حضرت خالدؓ کی زبان سے ان کی روایت نقل کی ہے۔ اس کی سند یہ ہے: ''أخبرنا ابو القاسم

عبدالوھاب بن ابی حبیبۃ، قراءۃ علیہ، حدثنا محمد بن شجاع قال: حدثنا محمد بن عمر الواقدی قال: فحدثنی یحییٰ بن المغیرۃ بن عبدالرحمن بن الحارث بن ھشام، قال: سمعت ابی یحدث یقول: قال خالد بن الولید۔۔۔'' اصلاً یہ روایت حضرت ہشام بن عروہؒ کی ہے اس بنا پر منقطع لگتی ہے۔ ممکن ہے کہ وہ ان کے والد ماجد عروہ بن زبیرؓ کی روایت رہی ہو۔ ۲۸؎

اس اہم روایت کو بعض سیرت نگاروں اور اہل قلم نے نظر انداز کیا ہے اور بعض نے اسی پر تکیہ کر کے پورا واقعہ بیان کیا ہے۔ اس روایت کے خاص نکات اختصار کے ساتھ حسب ذیل ہیں:

– اللہ تعالیٰ نے میرے ساتھ خیر کا ارادہ فرمایا تو میرے دل میں اسلام کی محبت ڈالی۔ اس طرح مجھے ہدایت نصیب ہوئی۔

– حضرت محمد ﷺ کے خلاف میں نے مختلف غزوات و مہمات میں شرکت کی اور ہر مرتبہ واپسی پر احساس ہوا کہ وہ غالب ہوں گے۔

– رسول اللہ ﷺ جب حدیبیہ تشریف لائے تو میں مشرکوں کے الک شہ سوار دستے کے ساتھ اسلامی لشکر سے مقام عسفان پر ملا اور ان کے مقابل خیمہ زن ہوا۔ آپ نے نماز ظہر اطمینان سے ادا کی۔ ہم نے آپ پر حملہ کا ارادہ کیا مگر ہمت نہ ہوئی اور اسی میں خیر تھا۔ ہم پر غموں کا حملہ ہوا اور فکروں کی یورش۔ پھر عصر کے وقت آپؐ نے نمازِ خوف ادا کی۔ حملہ کا موقعہ تھا، لیکن نہ کر سکا۔ اپنے رفقاء سے کہا کہ ''اس شخص کی حفاظت کی جا رہی ہے''۔ لہٰذا ہم اپنے سواروں کے ساتھ واپس ہو گئے اور بکھر گئے۔

– قریش نے جب آپ سے حدیبیہ کی صلح کی اور آپ کو جانے دیا تو میرا احساس تھا کہ اب کیا بچا اور نجاشی کے پاس جانے کا کیا فائدہ؟ وہ تو خود محمد ﷺ کی اطاعت کر چکے ہیں اور آپ کے صحابہ ان کے پاس امن و چین سے آباد ہیں۔

– لہٰذا ایک خیال یہ آیا کہ ہرقل کے پاس چلا جاؤں اور اپنا دین چھوڑ کر نصرانیت یا یہودیت اختیار کر کے عجم کا تابع بن جاؤں۔

— مگر دوسرا خیال سدِّراہ ہوا کہ کیوں نہ باقی دن اپنے گھر میں مقیم رہوں۔

— اسی حیص بیص میں تھا کہ رسولِ اکرم ﷺ عمرۃ القضاء ادا کرنے مکہ تشریف لائے۔اس موقع پر میں مکہ سے باہر چلا گیا۔

— میرا بھائی ولید بن ولید نبی ﷺ کے ساتھ عمرۃ القضاء میں آیا۔اس نے مجھے ڈھونڈا،مگر نہ پایا تو اس نے ایک خط لکھا۔

— اس خط میں میرے بھائی نے میری عقل ورائے پر ماتم اور تعجب کیا تھا کہ آپ جیسا شخص اسلام سے اس قدر ناواقف ہے۔اس نے یہ بھی لکھا کہ مجھ سے رسول اللہ ﷺ نے آپ کے بارے میں پوچھا تو میں نے عرض کیا کہ اللہ تعالیٰ ان کو جلد لائے گا۔آپؐ نے فرمایا:ان جیسا شخص اسلام کے بارے میں کیسے ناواقف ہے۔ان کو تو مسلمانوں کے ساتھ مل کر مشرکوں کے خلاف اپنی صلاحیتیں استعمال کرنی چاہئیں اور یہی ان کے لیے بہتر ہے۔اگر وہ ہمارے پاس آتے تو ہم ان کو دوسروں پر ترجیح دیتے۔لہٰذا اے میرے بھائی! فوت ہونے والے مواقع، جو مواقعِ خیر تھے، ان کا استدراک و کفارہ ادا کریں۔

— یہ مکتوب ملتے ہی میں روانگی کے لیے تیار ہو گیا اور اسلام میں میری رغبت بڑھ گئی۔رسول اللہ ﷺ کے کلام نے مجھے مسرور کیا۔

— اسی دوران میں نے خواب دیکھا کہ میں تنگ قحط زدہ سرزمین سے سرسبز و شاداب اور وسیع زمین پر جا پہنچا ہوں۔میں نے کہا: یہ سچا خواب ہے۔جب میں مدینہ پہنچا تو میں نے سوچا کہ اس کا ذکر ابوبکرؓ سے کروں گا۔ان سے ذکر کیا تو انھوں نے یہ تعبیر بتائی کہ یہ شرک کی تنگ و بر باد وادی سے اسلام کی طرف ہدایت ربانی کا اشارہ ہے۔

— میں نے مدینہ جانے کا عزم مصمم کرلیا تو سوچا کہ کسے رسول اللہ کی خدمت میں مصاحب بنالے کر جاؤں۔سب سے پہلے صفوان بن امیہ سے ملا اور اس سے کہا: ''تم جانتے ہو، ہمارا حال کیا ہے، ہم تو اب محض چوکر اور معمولی جماعت بن کر رہ گئے ہیں۔اور محمد [ﷺ] عرب و عجم پر غالب آ چکے ہیں۔اگر ہم ان کے پاس چلے جائیں اور ان کی پیروی کریں تو ان کا شرف ہمارا شرف ہوگا''۔اس نے سخت انکار کیا۔وہ یہاں

تک کہہ گیا: اگر تمام قریش ان کی پیروی کرلیں تو بھی میں ہرگز ان کی اطاعت نہیں کروں گا۔ میں نے سوچا کہ یہ شخص غم زدہ اور انتقام کا طالب ہے کہ اس کا باپ اور بھائی بدر میں مارے گئے تھے۔

— پھر عکرمہ بن ابی جہل سے ملاقات کرکے وہی باتیں کہیں اور اس نے بھی وہی ردعمل ظاہر کیا۔ میں نے اس سے راز رکھنے کا وعدہ لے لیا۔

— پھر میں اپنے گھر آیا اور اپنی سواری نکلوائی کہ عثمان بن طلحہ سے ملاقات کروں، جو میرا دوست ہے۔ میں نے ان سے وہ تمام باتیں کہیں۔ انھوں نے اثبات میں جواب دیا۔ ہم دونوں نے طے کیا کہ یاجج مقام پر ہم دونوں ملیں اور طے شدہ بات کی طرح گجردم وہاں ملے۔

— وہاں سے ہم دونوں نے سفر کیا اور مقام ہدہ پر پہنچے تو عمرو بن العاص سے ملاقات ہوئی۔ ان سے بات چیت کرنے پر معلوم ہوا کہ ان کی منزل مدینہ اور مقصد اسلام قبول کرنا ہے۔ وہاں سے ہم حرہ پہنچے۔ رسولِ اکرم ﷺ کو ہماری آمد کی خبر سے مسرت ہوئی۔ میں آپؐ سے ملاقات کے لیے جب روانہ ہوا تو میرا بھائی مل گیا۔ خدمت نبوی میں پہنچا تو آپؐ نے فرمایا: **الحمدللہ الذی ھداک، قد کنت اری لک عقلا، رجوت الایسلمک الا الی الخیر** ’’پھر تینوں اکابر قریش کے رسول اللہ ﷺ سے باری باری بیعت کرنے کا ذکر ہے اور وہ متفقہ روایت کی مانند معانی رکھتی ہے۔۲۹؎

روایات پر محاکمہ

عام سیرت نگاروں نے تینوں اکابرِ قریش کے قبولِ اسلام کی دونوں روایات یا ان میں ایک روایت کو بیان کرنے پر اکتفا کیا ہے، ان پر محاکمہ ونقد کرکے تجزیہ وتحلیل کا ضروری کام نہیں انجام دیا۔ اس کی وجہ سے ان کے ہاں بہت سے مسائل حل طلب رہ گئے۔ ذیل میں چند ذیلی عناوین کے تحت ان پر بحث کی جارہی ہے۔ اس سے نہ صرف واقعات واضح اور مسائل حل ہوں گے، بلکہ ان دونوں روایات کے صحیح معانی کی تفہیم ہوگی اور مصادرِ سیرت اور

ان کے اولین مؤلفین کرام کی مساعی کا صحیح اندازہ بھی کیا جا سکے گا۔

واقعہ کی صحیح تاریخ کی تعیین

مذکورہ بالا سیرت نگاروں نے مصادر میں مذکور ان بزرگ صحابہ کے قبولِ اسلام کی مختلف تاریخوں کے ضمن میں مختلف طریقے اختیار کیے ہیں: ایک یہ کہ بعض نے ان تاریخوں کا ذکر کر کے محاکمہ نہیں کیا اور قاری کو الجھن میں چھوڑ دیا کہ وہ کس سنہ کا واقعہ ہے۔ دوسرے یہ کہ کچھ نے مختلف تاریخوں میں سے کسی ایک تاریخ کو کسی ماہر فن کے قول کی بنا پر ترجیح دے دی اور دوسرا ابہام پیدا کر دیا۔ کئی ایک نے تیسرا طریقہ اپنایا کہ حضرت خالد بن ولید مخزومیؓ کے قبولِ اسلام کی تاریخ کا تعین عمرۃ القضاء اور غزوۂ موتہ وغیرہ کی بنا پر کیا ہے۔ ان تمام اکابر و ماہرین نے اس بحث میں روایاتِ ابن اسحاق و واقدی کی واقعاتی شہادتوں اور دوسرے حقائق و روایات کو نظر انداز کر دیا۔

— حضرات عمرو بن العاص سہمی، خالد بن الولید مخزومی اور عثمان بن طلحہ عبدری رضی اللہ عنہم کے قبولِ اسلام کے بارے میں متون کی واقعاتی شہادت یہ ہے کہ حضرت عمرو بن امیہ ضمریؓ بہ طور سفیر نبوی حضرت جعفر بن ابی طالب اور ان کے اصحابؓ کی خیبر سے مدینہ واپسی اور اس سے قبل حضرت ام حبیبہ بنت ابی سفیان امویؓ سے نکاحِ نبوی کے انتظامات کے دہرے مقاصد سے حبشہ گئے تھے۔ تمام مصادرِ سیرت و حدیث کا اجماع ہے کہ یہ واقعہ صفر ۷ھ کا ہے اور حبشی مہاجرین کا قافلہ فتحِ خیبر کے معاً بعد وطن لوٹا تھا۔

— اس سے کچھ دنوں قبل حضرت عمرو بن امیہ ضمریؓ بہ طور سفیر نبوی دربارِ حبشہ میں پہنچے تھے اور وہ واقعہ صلح حدیبیہ کے معاً بعد کا ہے۔ لہٰذا حضرت عمرو بن العاص سہمیؓ کا قبولِ اسلام اسی سفارت کے قیامِ حبشہ کے زمانے میں پیش آیا اور وہ اوائل ۷ھ کا واقعہ ہے۔

— دوسری تمام تاریخیں، جن میں واقدی کی روایات کی حتمی تاریخیں بھی شامل ہیں، غالباً راوی کے تسامح پر مبنی ہیں، جس کی وجہ سے صفر ۷ھ کی جگہ صفر ۸ ھ در آیا۔[۳۰]

مقامِ ہدہ میں حضراتِ ثلاثہ کا اجتماع

بیش تر سیرت نگاروں نے واقدی کی اس روایت کا آخری حصہ نظر انداز کر دیا ہے، جس میں حضرت عمرو بن العاصؓ نے اپنے سفرِ مدینہ کی مختلف منازل کا ذکر کیا ہے۔ روایتِ مذکورہ کے مطابق حضرت موصوف حبشہ سے بہ ذریعہ کشتی مدینہ کے لیے روانہ ہوئے تو ان کی پہلی منزل شعیبہ تھی۔ وہاں سے وہ بہ ذریعہ اونٹ مرالظہران پہنچے اور پھر اسی خشکی کے راستہ سے مقام ہدہ پہنچے، جہاں وہ حضرات خالد و عثمانؓ سے مل گئے۔ سیرت نگاروں نے ان کے مقامِ ہدہ پر ملنے کی توجیہ نہیں کی، جس کے سبب ابہام پیدا ہوا اور واقعاتِ سفر کی منازل کی تعیین نہیں ہوسکی۔

مدینہ میں استقبالِ نبوی

وادیٔ ہدہ سے مختلف منازل ومقامات سے سفر کرنے کے بعد یہ قافلہ مدینہ منورہ خدمت نبوی میں حاضر ہوتا ہے۔ ان کے تمام واقعات سماجی اور دینی لحاظ سے بہت اہم ہیں۔ ابن اسحاق نے اپنی روایت میں اخیر میں اختصار سے کام لیا ہے اور دوسری روایت بیان نہیں کی۔ واقدی کو یہ شرف جاتا ہے کہ انھوں نے دونوں روایات کو بیان کرکے ان کو مستند کرنے کے ساتھ نئی قیمتی معلومات عطا کیں۔ ان میں سب سے اہم رسول اکرم ﷺ کا سرور وانبساط اور ان جگر گوشانِ حرم مکہ کی آمد پر خیر مقدمی کلمات ارشاد فرمانا ہے۔ بلاشبہ ان تینوں اکابر قریش کا قبولِ اسلام ایک مہتم بالشان واقعہ تھا۔ ان سے اسلامی معاشرہ ور یاست کو خاص تقویت ملی تھی۔ ۳۱؎

نئی احادیثِ نبوی کا عطیہ

روایاتِ واقدی سے رسول اکرم ﷺ کی کئی نئی احادیث کا علم ہوتا ہے، جو متنِ ابن اسحاق اور دوسرے متونِ حدیث میں نہیں ملتی ہیں۔ ان میں سے ایک کا ذکر حضرت خالدؓ کے قبول اسلام کے باب میں ہو چکا ہے۔ ان ہی کے بارے میں دوسری حدیث ہے: اللھم اغفر لخالدٍ کل ما اوضع فیه من صدٍّ عن سبیلک" (اے اللہ! خالد نے تیرے راستے سے

روکنے کے لیے پہلے جو کچھ کیا، اسے معاف کردے)۔ اسی طرح اس سے حضرت عمرو بن العاص سہمیؓ کی بعض احادیث و بیانات اور بعد کے واقعات کا علم ہوتا ہے، جو اہم تاریخی و اقعات ہیں۔ اسی ضمن میں حضرت خالدؓ کے نام، ان کے مسلم بھائی حضرت ولید بن ولید مخزومیؓ کے خط کا متن اور اس میں ارشادِ نبوی کا حوالہ بھی اہم حدیث ہے۔ واقدی کی کتاب المغازی میں احادیثِ نبوی کا عظیم ذخیرہ موجود ہے، جس طرح ابن اسحاق کی السیرۃ میں ہے اور وہ جمع وتدوین اور تجزیہ کا منتظر ہے۔ ۳۲؎

لغتِ عرب کا خزانہ

روایاتِ ابن اسحاق و واقدی میں حضرت خالد بن ولیدؓ کے مکالمات میں، جو انھوں نے مختلف اکابر قریش سے کیے، قیمتی ادب موجود ہے۔ اسی طرح حضرت عمرو بن العاص سہمیؓ کے خطبات اور مکالمات میں بہت عمدہ عربی نثر کے نمونے موجود ہیں، جو ان کی قدرتِ کلام کے عکاس ہیں۔ ان کا ذکر روایاتِ مذکورہ کے بیان میں آتا رہا ہے، لیکن ان کی اصل قدر و قیمت ان کے عربی متون میں ہے، جو عربی فصاحت و بلاغت کے نمونے ہیں:

— حدیبیہ میں اسلامی لشکر پر حملہ نہ کرنے کے بارے میں حضرت خالدؓ نے ان الفاظ میں وضاحت کی: ''۔۔۔الرجل ممنوع و افترقنا، وعدل عن سنن خیلنا، و اخذ ذات الیمین۔۔۔''۔

— حضرت خالدؓ کے خواب کی زبان یہ ہے: ''و أری فی النوم کأنی فی بلاد ضیقۃ جدیبۃ فخرجت الی بلد اخضر و اسع۔۔۔''۔

— صفوان بن امیہ جمحی سے حضرت خالدؓ کا مکالمہ ان الفاظ میں ہے: ''یا ابا وھب! اما تری ما نحن فیہ؟ انما نحن أکلۃ رأس، وقد ظھر محمد ﷺ علی العرب و العجم، فلو قدمنا علی محمد ﷺ فاتبعناہ فان شرف محمد لنا شرف''۔

— صفوان کے انکار پر حضرت خالدؓ کا ان کے بارے میں یہ تبصرہ ہے: ''ھذا رجل موتور یطلب وتراً، قد قتل ابوہ و اخوہ ببدر''۔

— حضرت عثمان بن طلحہ عبدریؓ سے ان کی التجا کے الفاظ یہ ہیں: ''انما نحن

بمنزلۃ ثعلب فی جحر، لو صب علیہ ذنوب من ماء لخرج۔۔۔"۔

سفرِ مدینہ منورہ کے باب میں دونوں اکابر قائدین کے بیانات بھی عمدہ فصیح و بلیغ عربی کے نمونے ہیں۔ ۳۳؎

سماجی روایات کا ذکر

حضرات عمرو بن العاص سہمی اور خالد بن ولید مخزومی رضی اللہ عنہما کے قبولِ اسلام کی جو روایات ابن اسحاق اور واقدی نے بیان کی ہیں ان میں خاص طور سے موخرالذکر میں متعدد سماجی روایات کا ذکر ملتا ہے:

– شاہانِ عجم کے درباروں میں بالعموم زائرین وامراء سجدۂ تعظیمی ادا کرتے تھے۔ حضرت عمرو بن العاصؓ نے بھی ایسا کیا تھا، جب کہ مہاجرینِ حبشہ نے اسلامی احکام کے مطابق اس کے بجائے صرف سلام پر اکتفا کیا تھا اور اسے حضرت نجاشی نے تسلیم بھی کیا تھا۔

– امراء وزائرین بالعموم سلاطین وملوک کے لیے قیمتی تحائف لے جاتے تھے۔ حضرت عمرو بن العاص سہمیؓ حبشہ کے اپنے تمام اسفار میں اور خاص کر اس سفر میں جس میں انھوں نے اسلام قبول کرلیا تھا، تحائف وطنی لے گئے تھے جو کھالوں اور چمڑے کی چیزوں پر مشتمل تھے اور پسندیدہ تھے۔

– شاہی تحائف حبشہ میں خاص کر بطارقہ (مذہبی پیشواؤں) میں تقسیم ہوتے تھے اور ان کا خاص اندراج دیوان میں کیا جاتا تھا۔

– شاہانِ عجم اور خاص کر شاہ نجاشی نے لباس فاخرہ کے عطایا و ہدایا حضرت عمروؓ کو دیے تھے۔

– خوابوں کی تعبیر ایک نفسیاتی چاہت تھی۔ اسے ان کے ماہرین سے پوچھا جاتا ہے۔ حضرت ابوبکر صدیقؓ سے حضرت خالدؓ نے اپنے خوابِ اسلام کی تعبیر مدینہ جاکر پوچھی تھی کہ وہ تاویل الاحادیث کے ماہر سمجھے جاتے تھے۔

– خاص مواقع پر عمدہ لباس زیب تن کرنے کی سماجی روایت تھی، جیسا کہ قریشی قائدین نے دربارِ نبوی میں حاضری سے قبل انجام دی تھی۔

غائبانہ انداز میں خطوط کے ذریعہ عزیزوں اور قریبوں کو اطلاع دی جاتی تھی، جیسے برادر خالدؓ نے ملاقات نہ ہونے کا سبب کیا تھا۔ ۳۳؎

قبولِ اسلام کے موانع و اسباب

۱— اکابر قریش اور ان کے عوام و خواص کا ایک عام اور مجموعی الزام رسولِ اکرم ﷺ اور دین اسلام پر یہ تھا کہ انھوں نے ہمارے معبودوں کا مذاق اڑایا، ہمارے دین کا مضحکہ کیا اور ہمارے اکابر و اہل عقل و دانش کو بے وقوف قرار دیا ہے۔ سب سے زیادہ تکلیف دہ بات یہ ہے کہ انھوں نے ہماری جمعیت کا شیرازہ بکھیر دیا اور ہمارے عزیزوں اور خاندانوں کو باہم تقسیم کر دیا ہے۔ رسول اللہ ﷺ کے چچا جناب ابوطالب ہاشمی سے وفودِ اکابر قریش کے مکالموں اور ملاقاتوں میں خاص کر ان تکالیف کا ذکر ملتا ہے۔ خاص ہجرتِ حبشہ کے ضمن میں دربارِ نجاشی میں قریشی وفد کے سربراہ نے دیگر الزامات کے علاوہ یہ بھی الزام لگایا تھا کہ ان مہاجروں نے اپنے آبائی دین کو ترک کیا ہی ہے، آپ کا دین بھی قبول نہیں کیا ہے۔ انھوں نے یہ بات پہلے بطارقہ سے کہی تھی، پھر یہی بات دربار میں نجاشی سے کہی۔ بہرحال قومی اور آبائی دین کو یوں تیاگ دینا قریشی عوام و خواص کے لیے خاصا مشکل تھا۔ تمام خرابیوں کے باوجود وہ اپنے دین کے خوگر رہے تھے۔ ۳۴؎

۲— آبائی دین کا حوالہ یا اس کا مانع اگرچہ ابن اسحاق اور واقدی کی ان دونوں روایات میں نہیں ملتا، تاہم وہ ان میں مضمر ضرور ہے۔ حضرات عمرو بن العاص سہمیؓ اور خالد بن ولید مخزومیؓ کے بیانات میں اپنے دین قدیم سے وابستگی اور دین اسلام سے بیزاری کا عنصر بہت زیادہ ہے، حتیٰ کہ وہ دونوں اہل دانش و حکمت اور صاحبانِ شوکت و قیادت یہودیت و عیسائیت تک کو ایک مرحلہ پر اپنانے کے لیے تیار تھے، لیکن اسلام کو قبول کرنے اور اس کے نتیجہ میں رسولِ اکرم ﷺ کی ماتحتی تسلیم کر لینے کے لیے آمادہ نہیں تھے۔ ایسا ہی رویہ اور وتیرہ ان کے دوسرے اکابر اور اشراف کا تھا، جیسا کہ صفوان بن امیہ جمحی اور عکرمہ بن ابی جہل مخزومی سے ان کے مکالمات سے واضح ہوتا ہے۔ ۳۵؎

۳۔ غزوات وسرایا میں اشرافِ قریش اور عزیزانِ قوم کا اسلامی فوج کے ہاتھوں قتل ایک قومی سانحہ بھی تھا اور انفرادی زخم بھی۔ ان کی قومی حمیت کسی طرح ان کا پیچھا نہیں چھوڑتی تھی کہ وہ اپنے اکابرِ قوم اور سردارانِ قریش کے قتل کی ذلت برداشت کرلیں۔ ان میں سے بہت سے مقتولین ان کے اپنے عزیز وقریب تھے، جیسے صفوان بن امیہ جمحی کے بارے میں حضرت خالدؓ کا احساس تھا کہ وہ اپنے باپ اور بھائی کے قتل کی وجہ سے دل برداشتہ ہی نہیں، جوشِ انتقام سے تیغ براں تھے۔ وہ کسی طرح اس کو بھولنے کے لیے تیار نہ تھے، واقعہ یہ ہے کہ خون کے قریبی عزیزوں اور قومی رہنماؤں کی ہلاکت اور وہ بھی جنگ میں قتل، نفسیاتی طور سے قبول اسلام میں ایک بڑا مانع تھا۔۳۶

۴۔ غزوات وسرایا میں قریشی اشرافیہ اور پورے ملک میں ناقابلِ تسخیر سمجھی جانے والی قریشی فوج کی مسلسل ناکامی بھی ایک امر مانع تھا۔ بدر، احد، خندق اور مدنی دور کے نصفِ اول میں دوسری مہموں اور سرایا نے ان کی فوجی طاقت کی برتری کو قریب قریب ختم کردیا تھا۔ ان کی سیاسی ساکھ بھی متاثر ہوئی تھی اور دینی چودھراہٹ کا بھی بھرم نکل گیا تھا۔ حضرت عمرو بن العاص سہمیؓ اور حضرت خالد بن ولید مخزومیؓ کے بیانات سے اس کا ثبوت ملتا ہے۔ بدر میں ان کے اکابر واشراف کی ایک بڑی تعداد کی ہلاکت ایک قومی سانحہ رہا، جسے وہ کبھی بھلا نہ سکے۔ احزاب میں تمام عرب کو اسلامی ریاست کے خلاف چڑھا لانے کے باوجود وہ بری طرح ناکام و نامراد رہے اور وہ ان کے تابوتِ عزت میں آخری کیل تھی۔۳۷

۵۔ صلحِ حدیبیہ میں ان کے عظیم ترین قائدین واشراف کی غیر موجودگی ان کی شکستہ دلی کی ہی نہیں، قومی انتشار کی علامت تھی۔ ان دونوں عظیم تر قائدینِ قریش کے اعترافات روایاتِ ابن اسحاق و واقدی میں بھی موجود ہیں اور دوسرے مقامات میں بھی۔ مصادرِ سیرت وتاریخ کی متعدد روایات صراحت کرتی ہیں کہ مسلسل فوجی ناکامیوں نے اشراف واکابر قریش کے اتحاد میں دراڑ ڈال دی تھی۔ بددلی، شکستہ خوردگی، شکست اور اقدام وحرکیت سے تہی دستی کا احساس ان کے اکابرِ قوم کو کنج ہائے عزلت میں لے گیا۔ اگرچہ غالب و معاند اکابرِ قریش نے رسولِ اکرم ﷺ اور صحابۂ کرام کی جماعتِ

معتمرین کو اس موقعہ پر عمرہ کرنے سے روکنے میں کامیابی پائی تھی، تاہم وہ عرب عوام و خواص میں بالعموم اور مکہ مکرمہ میں عمرہ کی اجازت دینے والے اکابر میں بالخصوص ایک خالص دینی معاملہ اختلاف کی راہ ہموار کر گیا۔ عرب تاریخ میں کبھی ایسا نہیں ہوا تھا کہ کسی جماعت و فرد کو عمرہ، زیارت اور حج سے روکا گیا ہو۔ ایسا کر کے قریش کے ضدّی اکابر نے اپنی دینی ساکھ خراب کی تھی۔ حضرت خالد بن ولید مخزومیؓ کے الفاظ میں صلحِ حدیبیہ قریش کے غلبہ اور شوکت و قسمت کو کھا گئی اور وہ اسے قومی شکست ہی سمجھتے تھے۔ ۳۸

۶— مسلسل جنگ جوئی کے ماحول نے بدر سے خندق تک قریب قریب پانچ چھ برسوں تک ان کی شامی تجارت کا راستہ قطعی بند کر دیا، ان کی تجارتی دولت مندی بھی ان کی اقتصادی طاقت، مالی استحکام اور سماجی خوش حالی کی ضامن تھی، لہٰذا وہ مکی دور سے ہی اس کا احساس رکھتے تھے اور نہیں چاہتے تھے کہ کسی طرح شامی شاہ راہِ تجارت کے خطرے میں پڑنے کا امکان بھی پیدا ہو، چہ جائے کہ وہ ان کے لیے بالکل بند کر دی جائے۔ اس مالی اور اقتصادی مار نے ان کو دوسرے راستے تلاش کرنے پر اکسایا، مگر وہ شامی تجارت کا بدل نہیں بن سکے۔ اس نے غصہ کو اور بھی تیز کیا۔ اپنی معاشی بدحالی کا ذمہ دار وہ ان اکابر کو سمجھتے تھے جو جنگ جوئی کا باعث بنے تھے اور رسولِ اکرم ﷺ اور اسلامی ریاست سے بھی خار کھاتے تھے۔

۷— رسولِ اکرم ﷺ کا روز افزوں جاہ و جلال اور اسلامی ریاست کا پیہم عروج و غلبہ ان کے لیے سب سے بڑا سوہانِ روح تھا۔ حضرت خالد بن ولید مخزومیؓ کی روایت میں اسے عرب و عجم پر نبوی غلبہ سے تعبیر کیا گیا ہے اور نجاشیٔ حبشہ کی نبوی اطاعت و فرماں برداری سے حبشہ میں مسلم مہاجرین کی ایک بڑی تعداد کی مامون و محفوظ آبادکاری ان کی طاقت و شوکت کے لیے ایک بڑا چیلنج تھی، جو ناقابل برداشت تھا۔ اس سے زیادہ حضرت نجاشیؓ کی طاقت ور مدافعت ان کے لیے باعثِ خلش تھی۔ حضرت عمرو بن العاص سہمیؓ اپنی تمام تر دوستی اور تجارتی یگانگت اور سماجی منزلت کے باوجود رسولِ اکرم ﷺ کے سفیر کے خلاف اقدام ہی نہ کر سکے، بلکہ نجاشی کے ہاتھوں انتہائی ذلت اٹھائی۔ رسالتِ محمدی کی حقانیت کی تصدیق نجاشی نے ان کو بھی عرب و عجم پر آپ کے

غلبہ اور حکم رانی کا احساس دلایا اور اسی نے ان کو اسلام کا حلقہ بہ گوش بنایا۔ صلح حدیبیہ کے دوران حضرت عروہ بن مسعود ثقفیؓ کے تاثرات اور امان کے زمانۂ معاہدہ میں حضرت ابوسفیان بن حرب امویؓ کے قیصر روم کے دربار میں ہونے والے مکالمات نے ان کو احساس دلادیا تھا کہ ملک بنی الاصفر بھی رسولِ اکرم ﷺ کی طاقت سے خوف کھاتا ہے اور اصحابِ محمد ﷺ جتنی اور جیسی عزت وتوقیر آپؐ کی کرتے ہیں ویسی تو شاہانِ عجم کے امراء وارکان اور خدم وحشم بھی نہیں کرتے۔ ۴۰؎

۸— حضرت خالد بن ولید مخزومیؓ کی روایت میں ان کا ایک تاثر اور بھی بہت ابھر کر سامنے آتا ہے، جو ان کو اسلام کے قریب کرتا اور رسولِ اکرم ﷺ کی حقانیت کا یقین دلاتا ہے۔ وہ بہ طور قائد قریش خاصا اہم سبب ہے۔ ان کو ہر موقعہ پر اور ہر معرکہ میں رسول اللہ ﷺ کے بارے میں یہ احساس ہوتا تھا کہ آپ کی غیب سے مدد اور حفاظت کی جارہی ہے۔ صلح حدیبیہ کے موقعہ پر جب وہ خاص طور سے قریشی اکابر کے متفقہ فیصلہ کے مطابق آپ کو روکنے کے لیے دوسو شہ سواروں کے دستے کے ساتھ مقام عسفان پر مورچہ جمائے ہوئے تھے، وہ کئی بار کوشش کے باوجود آپ پر حملہ نہ کرسکے۔ بال آخر ان کو یہ ادراک ہوا کہ آپؐ تو محفوظ ومامون شخص ہیں (رجل ممنوع)۔ ایک فوجی قائد کے لیے یہ اہم تجربہ تھا۔ اسی کے ساتھ ان کا ذاتی احساس بڑھتا جاتا تھا، خاص کر قریشی فوجی ناکامیوں اور رسولِ اکرم ﷺ کی بے مثال کامیابیوں کے سبب کہ محمد [ﷺ] عن قریب غالب آجائیں گے (وأن محمدا سیظهر)۔ یہ صرف ان کا ہی نہیں، بلکہ دیگر قائدینِ قریش کا بھی احساس تھا۔ ان اسباب وعوامل سے ان کے دل میں اسلام کی محبت اور رسولِ اکرم ﷺ کی توقیر وعقیدت بڑھتی جارہی تھی۔ ۴۱؎

حواشی ومراجع

۱؎ تمام اردو، عربی اور دوسرے روایتی سیرت نگاروں کا یہی طریقہ ہے کہ صرف روایاتِ قبول اسلام نقل کرتے ہیں، جیسے شبلی، سیرۃ النبی، اعظم گڑھ ۱۹۸۳ئ، ۱/ ۲۰۵—۲۰۷ ومابعد (اگرچہ شبلی نے سابقین اولین کے قبول اسلام کے وجوہ واسباب سے بحث کی ہے)؛ محمد ادریس کاندھلوی، سیرۃ المصطفیٰ، دارالکتاب دیوبند، غیر مورخہ، ۱/ ۱۵۴—۱۸۳ وما بعد؛ عبدالرؤف دانا پوری، اصح

السیر، کتب خانہ نعیمیہ دیو بند، غیر مورخہ، ۱۵—۲۵ ومابعد (جو صرف فہرست سازی کے قبیل سے ہے)؛ صفی الرحمن مبارک پوری، الرحیق المختوم (اردو)، المجلس العلمی، علی گڑھ ۱۹۸۸ئ، ۱۱۵—۱۱۷ ومابعد، بہ حوالہ رحمۃ للعالمین وابن ہشام؛ سید فضل الرحمن، ہادی اعظم، زوار اکیڈمی کراچی ۲۰۰۰ئ، ۱۶۵—۱۷۰ ومابعد؛ حکیم محمود احمد ظفر، سیرت خاتم النبیین، تخلیقات لاہور ۲۰۱۰ئ، ۲۱۷—۲۳۸ ومابعد (اولین تین برسوں میں خاندان وار فہرست)؛ سید ابوالاعلیٰ مودودی، سیرت سرور عالم، دہلی ۱۹۸۹ئ، ۲/ ۵۶۳—۵۹۹ اور ماقبل ۲/ ۱۵۴ ومابعد (خفیہ دورِ دعوت میں کار دعوت کی تعیین بہ ہر حال تجزیاتی ہے۔)

۲؎ کتابِ خاکسار، مکی اسوہ نبوی، دہلی ۲۰۰۵ئ؛ کراچی ۲۰۰۸ئ، باب 'حبشی امتِ اسلامی'

۳؎ سید معین الحق، سیرت محمد رسول اللہ ﷺ—تاریخ کے تناظر میں، اردو ترجمہ: رفیع الزماں زبیری، کراچی ۲۰۱۲ئ، ۲۰۶ ومابعد

۴؎ مکی اسوہ نبوی، حوالہ سابق

۵؎ ظہور احمد اظہر، شاہِ حبشہ خدمتِ نبوی میں، ضیاء القرآن پبلی کیشنز لاہور، ۲۰۱۳ء

۶؎ مذکورہ بالا کتب میں ابواب ہجرت حبشہ

۷؎ سید معین الحق (حوالہ سابق، ص ۲۰۹ ومابعد) جیسا مورخ بھی 'حضرت نجاشی کا اسلام سے متاثر ہونا' لکھتا اور سمجھتا ہے۔

۸؎ ظہور احمد اظہر (حوالہ سابق، ص ۱۱، حاشیہ: ۲۱۳) کی تحقیق یہ ہے کہ امام مسلم وغیرہ محدثین نے نام اصحم دیا ہے اور کتبِ سیرت وتاریخ میں ان کے والد کا نام ابجر بروزن اکبر، اصغر وغیرہ ہے۔ عام طور سے ان کا نام اصحمہ ملتا ہے اور ان کے والد کا بحر وغیرہ۔

۹؎ مذکورہ بالا مؤلفینِ سیرت میں سے چند نے بعض اکابرِ قریش کے اضطراب وفکر کا ذکر کیا ہے۔ اس پر بحث آگے آئے گی۔

۱۰؎ شبلی: ۱/ ۴۷۳—۴۷۴

۱۱؎ صفی الرحمن مبارک پوری، ص ۵۴۴، اسماء الرجال کی عام کتابوں کا عمومی حوالہ ہے، مگر اس واقعہ کا ماخذ مذکور نہیں ہے۔ حاشیہ میں کئی واقعاتِ تاریخ ۷ رہجری کی تعیین کے بارے میں مدد لی ہے، مگر ان میں سے کسی کے ماخذ کا حوالہ نہیں دیا ہے۔ یہ پوری بحث بلا ماخذ تشنہ ہے۔

۱۲؎ کاندھلوی: ۲/ ۴۵۴—۴۵۹ ۱۳؎ داناپوری، ص ۲۳۲—۲۳۵

۱۴؎ سید فضل الرحمن، ص ۳۸۸—۳۹۲ ۱۵؎ حکیم محمود احمد ظفر، ص ۷۹۷—۸۰۲

۱۶؎ شاہ حبشہ خدمتِ نبوی میں، ۱۹۶—۲۰۰، بہ حوالہ اصابہ: ص ۵۸۹۷؛ استیعاب: ص ۱۹۳۱؛ ابن سعد: ۴/ ۲۵۴؛ البدایۃ: ۴/ ۲۵۵؛ سیر اعلام النبلائ: ۱/ ۱۷۵

۱۷؎ ابن اسحاق/ ابن ہشام، حمدی طباعت مکتبۃ المورد القاہرۃ، ۲۰۰۶ئ، ۳/ ۱۷۱—۱۷۲؛

واقدی، کتاب المغازی، مرتبہ مارسدن جونس، عالم الکتب بیروت ۲۰۰۶ئ، ۵۰۵—۵۰۸

۱۸؎ حوالہ سابق، بالخصوص دوسری روایتِ واقدی، ص ۵۱۰

۱۹؎ ابن اسحاق/ ابن ہشام : ۳/ ۱۷۱، لما انصرفنا مع الاحزاب عن الخندق جهت رجالا من قريش، كانوا يرون رأيي الخ

۲۰؎ واقدی: ص ۵۰۶: قوم نے ان کے بارے میں کہا: ذو رأينا و مدرهنا، مع يمن نفس و بركة امر۔۔۔ ابن کثیر، ۴/ ۲۳۶ کی روایت واقدی میں یہی تعریفات کچھ دوسرے الفاظ میں ہیں:۔۔۔ في يمن نفسه و بركة امر۔۔۔ جیسا کہ محقق واقدی کا حاشیہ ہے۔

۲۱؎ ابن اسحاق: ۳/ ۱۷۱: ''۔۔۔ و كان رسول الله ﷺ قد بعثه اليه في شان جعفر وأصحابه''۔ دونوں میں یوں تطبیق دی جاسکتی ہے کہ دونوں مقاصد پیش نظر تھے۔ ویسے امام ابن اسحاق کا رجحان جانب دارانہ بھی ہے کہ وہ بنو ہاشم کی طرف داری اور بنو امیہ کو نظر انداز کرتے ہیں۔

۲۲؎ واقدی کا بدایا کے بارے میں اضافہ حبشی حکومت کی انتظامیہ کا ایک پہلو سامنے لاتا ہے۔

۲۳؎ دونوں مصادر مذکورہ بالا

۲۴؎ ابن کثیر میں الشعبہ ہے، جو تصحیف ہے۔ الشعیبۃ یمن کے راستہ پر بحر قلزم کی ایک بندرگاہ ہے: معجم ما استعجم، ۱۸۴، بحوالہ مارسدن جونس، حاشیہ ۳، برصفحہ ۵۰۷

۲۵؎ مرالظہران بہت معروف مقام ہے۔

۲۶؎ الھدۃ، مرالظہران سے قریب ایک مقام کا نام ہے۔

۲۷؎ ابن اسحاق و واقدی، حوالہ سابق

۲۸؎ حضرت ہشام بن عروہؒ بالعموم اپنے والد ماجد حضرت عروہ بن زبیرؓ سے روایت کرتے ہیں۔

۲۹؎ واقدی، ص ۵۰۸—۵۱۰

۳۰؎ ابن اسحاق/ ابن ہشام، ۳/ ۲۲۹: موخرالذکر کی روایت ہے: ''قدم [جعفر] على رسول الله ﷺ يوم فتح خيبر''، جب کہ اول الذکر کا بیان ہے: ''۔۔۔ فقدم [عمرو بن امية الضمرى] بهم عليه وهو بخيبر بعد الحديبية۔۔۔''؛ بخاری، کتاب الصلوٰۃ، باب مواقیت، کتاب الجہاد، کتاب المغازی، باب غزوۃ خیبر وغیرہ۔ نیز کتاب احادیث الانبیاء، باب ہجرۃ الحبشۃ، نیز مناقب حضرات جعفر بن ابی طالب و ابوموسیٰ اشعری وغیرہ رضی اللہ عنہم۔

۳۱؎ بعض سیرت نگاروں نے حضرات خالد و عمرو و عثمان رضی اللہ عنہم کی آمدِ مدینہ پر یہ حدیث نبوی نقل کی ہے: ''مکہ نے اپنے جگر گوشوں کو پھینک دیا ہے'': ''هذه مكة، قد ألقت اليكم أفلاذ كبدها'' یہ لفظی ترجمہ مولانا کاندھلوی کا ہے، جو صحیح ترجمانی نہیں ہے۔ 'پھینک دیا ہے' کی جگہ

'حوالہ کر دیا ہے' ہونا چاہیے۔ یہی حدیث غزواتِ بدر وغیرہ کے ضمن میں بھی نقل کی جاتی ہے، جو اس کے محاورۂ عام ہونے کی دلیل بھی ہے۔ مواقع حدیث کے لحاظ سے ابن اسحاق و واقدی کا مطالعہ بالخصوص بہت اہم ہے۔ خاکسار نے ایسا ایک مطالعہ اول الذکر کے حوالے سے کیا ہے، بہ عنوان: ''مکی احادیث سیرت ابن اسحاق میں''۔ توسیعی خطبہ، وفاقی اردو یونیورسٹی کراچی، ۲۷ر فروری ۲۰۱۴ء جو ان شاء اللہ عن قریب چھپے گا۔ مغازی واقدی (ص ۷۳) میں حدیثِ نبوی کے یہی الفاظ غزوۂ بدر کے موقع سے منقول ہے۔ اس کے دوسرے اطراف بھی ہیں۔

۳۲۔ مذکورہ روایاتِ واقدی و ابن اسحاق اور مقالہ خاکسار: ''مکی احادیث سیرتِ ابن اسحاق میں''

۳۳۔ ان روایات کے علاوہ بعض دوسری سماجی روایات و اقدار بھی تھیں۔ ان کا ذکر اس خاص بابِ تاریخ کے علاوہ سیرت کے دوسرے ابواب میں بھی ملتا ہے۔

۳۴۔ ابن اسحاق/ ابن ہشام: ۱/ ۶۹ او مابعد؛ ۲۱۲—۲۱۳

۳۵۔ اسلام عمرو و خالد کی روایاتِ ابن اسحاق و واقدی، حوالہ سابق

۳۶۔ حوالہ سابق، واقدی، ص ۱۳۶ و مابعد؛ ابن اسحاق/ ابن ہشام: ۲/ ۱۷۹—۱۸؛ اصابہ، ۴۰۷۳ وغیرہ۔ حضرت صفوان بن امیہ جمحیؓ فتح مکہ کے موقع پر اسلام لائے۔ غزوۂ بدر میں ان کے باپ امیہ بن خلف جمحی اور برادر علی بن امیہ جمحی مارے گئے تھے، اگرچہ حضرت عبدالرحمن بن عوف زہریؓ نے اپنی دوستی اور معاہدہ کی وجہ سے ان دونوں کو بچانے کی بھرپور کوشش کی تھی۔

۳۷۔ ابن اسحاق و واقدی کی کتابوں میں حضرت عمرو بن العاص سہمیؓ کی روایت کا اولین حصہ

۳۸۔ حضرت خالدؓ کا احساسِ شکست تھا: **فلما صالح قریشاً بالحدیبیة و دافعته قریش بالراح قلت فی نفسی: ای شیٔ بقی؟**، ابن اسحاق/ ابن ہشام: ۳/ ۱۹۶ کا بیان ہے کہ احابیش کے اس زمانے کے سردار حُلیس بن علقمہ حارثی/ کنانہ نے مسلمانوں کو عمرہ و زیارت سے روکنے پر قریش کے اکابر سے کہا تھا: کیا اس کو بیت اللہ سے روکا جائے گا جو اس کی تعظیم کرتا ہے۔ اس پر تو ہم نے تم سے معاہدہ نہیں کیا تھا۔ حلیس نے ان کو دوستی ختم کرنے کی دھمکی بھی دی تھی۔

۳۹۔ قریشی کاروانوں پر اسلامی سرایا کی تاخت کا سلسلہ ملاحظہ ہو: مکی دور میں حضرت ابوذر غفاریؓ کو اسلام لانے اور اس کا اعلان کرنے کے جرم میں قریشی معاندین نے زدوکوب کرنا شروع کیا تو حضرت عباسؓ نے یہی کہہ کر بچایا تھا کہ اس شخص کا قبیلہ ہماری شامی تجارت کے راستہ پر بستا ہے۔ اگر یہ مرگیا تو اپنی تجارت بند سمجھو۔ یہ سنتے ہی ان کے ہاتھ رک گئے تھے۔

۴۰۔ ابن اسحاق/ ابن ہشام، ۳/ ۱۹۶—۹۷ و مابعد؛ واقدی، ص ۴۱۸—۴۲۱

۴۱۔ واقدی، ص ۵۰۸

☆☆☆

شاہ ولی اللہؒ کے تفسیری مآخذ

ڈاکٹر محمد رضی الاسلام ندوی

شاہ ولی اللہ محدث دہلوی (۱۱۱۴ھ۔۱۱۷۶ھ) کا علمی کام اسلامی علوم کے تمام میدانوں میں ہے۔ تفسیر و اصول تفسیر، حدیث وعلوم حدیث، فقہ واصول فقہ، تصوف وسلوک، اصولِ دین واسرارِ شریعت، عقائد وکلام، سیرت وتاریخ اور ادب، ہر فن میں ان کی متعدد تصانیف ہیں، جو اہلِ علم کا مرجع بنی ہوئی ہیں۔ شاہ صاحب کی علمی خدمات کا ایک اہم میدان تفسیر وعلوم قرآن ہے۔ اس فن میں انھوں نے بیش قیمت تصانیف چھوڑی ہیں جو درج ذیل ہیں:

۱۔ **الفوز الکبیر فی اصول التفسیر**: یہ شاہ صاحب کی مقبول تصانیف میں سے ہے۔ اس کی تالیف انھوں نے فارسی زبان میں کی تھی۔ اس کے اردو، عربی اور انگریزی تراجم معروف اور متداول ہیں۔ اس میں اصولِ تفسیر کے اہم مباحث کو بہت اختصار اور جامعیت کے ساتھ بیان کیا گیا ہے۔

۲۔ **فتح الخبیر بمالابدّ من حفظہ فی علم التفسیر**: یہ رسالہ عربی زبان میں ہے۔ اس میں قرآن کریم کے مشکل الفاظ کی تشریح اور آیات کے اسبابِ نزول کی وضاحت کی گئی ہے۔ یہ اصلاً الفوز الکبیر کا پانچواں اور آخری باب ہے، جسے خود مصنف نے ایک مستقل رسالہ بنا دیا ہے۔ چنانچہ اس کی اشاعت دونوں انداز سے (الفوز الکبیر کے ساتھ بھی اور الگ سے بھی) ہوتی رہی ہے۔

۳۔ **تاویل الاحادیث فی رموز قصص الانبیائ**: اس کتاب میں قرآن

میں مذکور انبیاء کرام کے واقعات اور معجزات کی توجیہ وتاویل کی گئی ہے، ان کی حکمت و معنویت بیان کی گئی ہے اور ان کے اصول وضوابط کی تفہیم کرائی گئی ہے۔ یہ کتاب عربی زبان میں ہے۔ اردو اور انگریزی میں اس کا ترجمہ ہو چکا ہے۔

۴۔ **المقدمۃ فی قوانین الترجمۃ**: یہ مختصر رسالہ فارسی زبان میں ہے۔ اس میں ترجمۂ قرآن کے پس منظر میں ترجمہ کے فن، نوعیت، قواعد اور مشکلات پر گفتگو کی گئی ہے۔

۵۔ **فتح الرحمن بترجمۃ القرآن**: یہ فارسی زبان میں قرآن کریم کا بہت آسان، عام فہم اور سلیس ترجمہ ہے۔ شاہ صاحب نے یہ خدمت مبتدین اور عوام میں قرآن فہمی کا رجحان عام کرنے کے لیے انجام دی تھی۔ یہ متعدد مرتبہ شائع ہوا ہے اور اس کے بہت سے قلمی نسخے بھی پائے جاتے ہیں۔

شاہ صاحب کی قرآنی تصانیف میں ایک تصنیف 'زہراوین' کا نام ملتا ہے، جو سورۂ بقرہ وسورۂ آل عمران کے ترجمے وتفسیر پر مشتمل تھی، لیکن اس کا کوئی نسخہ اب تک دست یاب نہیں ہوا ہے۔ اس بنا پر یہ خیال درست معلوم ہوتا ہے کہ شاہ صاحب نے اپنے سفر حج (۱۱۴۳ھ) سے واپسی کے بعد فتح الرحمن کے نام سے ترجمۂ قرآن کا کام شروع کیا تو زہراوین کے نام سے سورۂ بقرہ وسورۂ آل عمران کا اپنا کیا ہوا ترجمہ اس میں تحلیل کر دیا۔

۶۔ **حواشی فتح الرحمن**: شاہ صاحب نے قرآن کا ترجمہ کرتے وقت جن امور کی تشریح وتوضیح ضروری سمجھی انھیں ان حواشی میں تحریر کر دیا ہے۔ انھوں نے بیش تر مقامات پر انتہائی اختصار سے کام لیا ہے اور محض ایک دو الفاظ میں وضاحت کر دی ہے، کہیں کہیں قدرے تفصیلی بحث بھی کی ہے۔ ان میں اسبابِ نزول، ربطِ آیات، ناسخ ومنسوخ، فقہی احکام، تمثیلات اور دیگر قرآنی موضوعات زیر بحث آئے ہیں۔ ان سے شاہ صاحب کی قرآن فہمی کا ثبوت فراہم ہوتا ہے اور ان کے تفسیری رجحانات کی بھی عکاسی ہوتی ہے۔ فتح الرحمن کے مطبوعہ نسخوں پر جو حواشی ہیں وہ عموماً فارسی زبان میں ہیں، جب کہ بعض قلمی نسخوں پر درج حواشی کی زبان عربی ہے۔ یہ حواشی ترجمۂ قرآن کے نسخوں پر بکھرے ہوئے تھے۔ انھیں جمع کر کے ایک رسالہ کی شکل بھی دی گئی ہے۔ ۲؎

مآخذ

تفسیر وعلوم قرآنی کی امہات الکتب پر شاہ ولی اللہ کی گہری اور وسیع نظر تھی۔ انھوں نے نصابِ درس میں جن کتبِ تفسیر کو پڑھا تھا، ان کے علاوہ بھی بہت سی متداول عربی اور فارسی تفاسیر کا مطالعہ کیا اور اپنی تصانیف میں ان سے استشہاد کیا ہے۔ ان کی تحریروں میں جا بہ جا اس طرح کے جملے ملتے ہیں: **فی التفاسیر، کذا فی التفاسیر، کما قال المفسرون فی مواضع، کما صرح المفسرون فی مواضع کثیرۃ**، جمہور مفسرین گویند، جمہور مفسران مراد داشتند وغیرہ ۳؎۔ متعدد مواقع پر وہ دیگر مفسرین سے اختلاف کرتے ہیں اور آیات کی منفرد توجیہ پیش کرتے ہیں۔ ایسے مقامات پر ان کی مجتہدانہ بصیرت اور نکتہ سنجی کا اظہار ہوتا ہے۔ بعض محققین نے ان کے ترجمہ وحواشی فتح الرحمن کا تنقیدی مطالعہ کیا ہے اور دیگر مفسرین اور شاہ ولی اللہ کی آراء کا موازنہ کر کے شاہ صاحب کی توجیہات کے انفرادی وامتیازی پہلوؤں کو نمایاں کیا ہے۔ ۴؎

شاہ صاحب نے بہت سے مقامات پر اپنے مآخذ کی صراحت کی ہے۔ آئندہ سطور میں ان کا تعارف وتذکرہ کیا جا رہا ہے:

قرآن مجید

شاہ ولی اللہؒ کی تمام تحریروں اور خاص طور پر تفسیر وعلوم قرآنی میں ان کی تصانیف کا اولین ماخذ قرآن مجید ہے۔ وہ اپنے مباحث میں قرآن مجید سے استدلال کرتے ہیں اور بہ طور ثبوت وتائید اس کی آیات پیش کرتے ہیں۔ حجۃ اللہ البالغۃ کی قسم اول کے ابواب حکمت ومعرفت اور قسم دوم کے ابوابِ دین وشریعت دونوں میں انھوں نے قرآن کریم کو ماخذ بنایا ہے۔ اسی طرح الفوز الکبیر، فتح الخبیر اور قوانین الترجمۃ کے مباحث میں بھی آیاتِ قرآنی سے استدلال کا وصف نمایاں ہے۔ اس کی مثالیں پیش کرنے کی ضرورت نہیں ہے۔ ۵؎

حدیثِ رسول ﷺ

تفسیر قرآن کا دوسرا ماخذ حدیثِ رسول ہے۔تمام مفسرین نے اس کو اپنے پیش نظر رکھا ہے اورآیاتِ قرآنی کی تشریح وتفسیر میں حسب ضرورت اس سے فائدہ اٹھایا ہے۔ شاہ صاحب نے بھی اسے اپنا نصب العین بنایاہے۔ فتح الرحمن کے مقدمے میں لکھتے ہیں:

> ''واستمداد این کتاب درآنچہ متعلق بنقل است از اصح تفاسیر محدثین کہ تفسیر بخاری وترمذی و حاکم است کردہ شد۔ وتاامکان ازاخبار ضعیفہ وموضوعہ احترازنمودہ شد''۶۔

> ''تفسیر میں اگر کسی چیز کا تعلق مأثور سے رہاہے تو اس سلسلے میں میں نے محدثین کی صحیح ترین تفاسیر (وہ تفسیری روایات جو بخاری،ترمذی اور حاکم نے اپنی کتابوں میں بیان کی ہیں) سے فائدہ اٹھایاہے اور حتی الامکان ضعیف اورموضوع احادیث سے احتراز کیاہے۔''

شاہ ولی اللہ کا اشارہ امام المحدثین ابوعبداللہ محمد بن اسماعیل البخاری (م ۲۵۶ھ) کی کتاب الجامع الصحیح،امام ابوعیسیٰ محمد بن عیسی الترمذی (م۲۷۹ھ) کی کتاب جامع الترمذی اور امام ابوعبداللہ الحاکم(م ۴۰۵ھ) کی کتاب المستدرک علی الصحیحین کی جانب ہے کہ ان میں سے ہر ایک میں کتاب التفسیر ہے،جس میں تفسیری روایات اکٹھا کردی گئی ہیں۔

شاہ صاحب کی تصنیف فتح الخبیر کا ایک موضوع اسبابِ نزول کا بیان ہے۔ اس کا ماخذ ان کی صراحت کے مطابق مذکورہ بالا تینوں کتابیں ہیں۔ ان کی دیگر تحریروں میں بھی کہیں کہیں حدیث کے حوالے مل جاتے ہیں۔ ۷

اگرچہ شاہ صاحب کی کوشش رہی ہے کہ وہ صرف صحیح احادیث ہی سے استدلال کریں، لیکن کہیں کہیں اس کا التزام باقی نہیں رہ سکا ہے۔ ایک مثال پیش خدمت ہے۔سورۂ اعراف میں ہے:

هُوَ الَّذِیْ خَلَقَکُم مِّن نَّفْسٍ وَاحِدَةٍ وَ جَعَلَ مِنْهَا زَوْجَهَا لِیَسْکُنَ إِلَیْهَا فَلَمَّا تَغَشّٰهَا حَمَلَتْ حَمْلاً خَفِیْفاً فَمَرَّتْ بِهِ فَلَمَّا أَثْقَلَت دَّعَوَا اللّٰهَ رَبَّهُمَا لَئِنْ آتَیْتَنَا صَالِحاً لَّنَکُوْنَنَّ مِنَ الشّٰکِرِیْنَ ○فَلَمَّآ آتٰهُمَا صَالِحاً جَعَلاَ لَهُ شُرَکَآءَ فِیْمَا آتٰهُمَا فَتَعٰلَی اللّٰهُ عَمَّا یُشْرِکُوْنَ ○(آیات:۱۸۹ ـ ۱۹)

ان آیات کی تفسیر میں عام طور سے مفسرین نے یہ حدیث نقل کی ہے:

حسن نے حضرت سمرۃ بن جندبؓ سے روایت کیا ہے کہ نبی ﷺ نے فرمایا:

''لمّا حملت حواء طاف بها ابلیس و کان لا یعیش لها و لدفقال سمّیه عبدالحارث فسمّته عبدالحارث فعاش و کان ذلک من وحی الشیطان و أمره''۸ ـ

''جب حوا کو حمل ہوا تو ان کے پاس ابلیس آیا۔ حوا کا کوئی بچہ زندہ نہ رہتا تھا۔ ابلیس نے کہا: اس کا نام عبدالحارث رکھ دو، چنانچہ حوا نے اس کا نام عبدالحارث رکھ دیا۔ چنانچہ وہ بچہ زندہ رہا۔ ایسا حوا نے شیطان کے کہنے پر کیا تھا''

شاہ صاحب نے حواشی فتح الرحمن میں مذکورہ آیت کے ذیل اس حدیث کو نقل تو نہیں کیا ہے، لیکن الحدیث المرفوع کہہ کر اس کی طرف اشارہ کیا اور اس کی توجیہ ان الفاظ میں کی ہے:

ولیس فی الحدیث الاّ ذکر حوائ، فلعلّها سمّت بغیر اذن آدم، ثم تابت من ذلک، واللہ أعلم ۹ ـ

اس حدیث میں صرف حوا کا ذکر ہے۔ شاید انھوں نے آدم علیہ السلام سے پوچھے بغیر ایسا کیا ہو، پھر اس سے توبہ کر لی ہو۔ اللہ بہتر جانتا ہے۔

اس سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ اس حدیث کو صحیح سمجھتے ہیں، حالاں کہ مشہور مفسرین مثلاً قرطبیؒ اور ابن کثیرؒ وغیرہ نے اسے ضعیف قرار دیا ہے اور عصر حاضر کے مشہور محدث علامہ ناصر الدین البانیؒ نے بھی اس پر تفصیلی بحث کرتے ہوئے اس کا شمار ضعیف احادیث میں کیا ہے۔۱۰ ـ

آثارِ صحابہ

تفسیر ماثور میں احادیثِ رسول کے بعد آثارِ صحابہ کو اہمیت دی جاتی ہے۔ عموماً مفسرین نے اپنی کتابوں میں اصحاب رسول اور خاص طور پر مفسر صحابہ کے اقوال و ارشادات کا خاصا حصہ جمع کر دیا ہے۔ شاہ صاحب نے بھی اپنی تحریروں میں جا بہ جا آثارِ صحابہ سے استشہاد کیا ہے۔

الفوز الکبیر میں اسبابِ نزول پر بحث کے ذیل میں حضرت ابوالدردائؓ، حضرت ابن عمرؓ، حضرت ابن عباسؓ، حضرت عائشہؓ اور حضرت عمر بن الخطابؓ کے آثار نقل کیے ہیں۔ ایک جگہ حضرت عثمان بن عفانؓ کا قول نقل کیا ہے۔

شاہ صاحب کا مشہور نقطۂ نظر یہ ہے کہ یہود نے لفظی تحریف اصل توراۃ میں نہیں، بلکہ اس کے ترجمہ میں کی تھی۔ انھوں نے لکھا ہے کہ یہی حضرت ابن عباسؓ کا بھی قول ہے۔ ۱۱؎

شاہ صاحب کی تصنیف فتح الخبیر کا ایک موضوع قرآن کریم کے مشکل الفاظ کی تشریح ہے۔ اس کا غالب حصہ حضرت ابن عباسؓ کے آثار پر مشتمل ہے، جو تین سندوں سے مروی ہیں:

۱—ابوصالح عبداللہ صالح— معاویہ بن صالح—علی بن ابی طلحہ—ابن عباس

۲—منجاب بن حارث—بشر بن عمارۃ—ابی روق—ضحاک بن مزاحم—ابن عباس

۳—مختلف سندوں سے نافع بن الازرق خارجی کے سوالات اور حضرت ابن عباسؓ کے جوابات، جن میں انھوں نے قرآن کے مشکل الفاظ کی تشریح کرتے ہوئے اشعار سے استشہاد کیا ہے۔ ۱۲؎

کتبِ تفسیر

شاہ صاحب کی کتابوں میں متعدد اہم کتبِ تفسیر کے حوالے ملتے ہیں۔ ذیل میں ان کا اور ان کے مؤلفین کا مختصر تذکرہ کیا جا رہا ہے:

۱۔ الوجیز

یہ امام ابوالحسن علی بن احمد بن محمد بن علی الواحدی النیسا پوری (م ۴۶۸ھ) کی تفسیر ہے۔ واحدی تفسیر اور ادب دونوں میدانوں میں شہرت رکھتے تھے۔ ان کی کتاب أسباب النزول بہت معروف ہے۔ الوجیز کے علاوہ ان کی دو مزید تفسیریں البسیط اور الوسیط کے نام سے ہیں، جو قلمی ہیں۔ ۱۳؎

شاہ صاحب نے حواشی فتح الرحمن میں متعدد مقامات پر اس تفسیر کا حوالہ دیا ہے۔ ۱۴؎

۲۔ تفسیر زاہدی

یہ تفسیر فارسی زبان میں ہے۔ اس کے مؤلف ابونصر احمد بن الحسن بن احمد سلیمان زاہدی ہیں۔ یہ کتاب ۵۱۹ھ/ ۱۱۲۵ء میں بخارا میں لکھی گئی تھی۔ اس میں سورتوں کے مابین ربط و نظم واضح کرنے کا اہتمام کیا گیا ہے یہ تفسیر عہد سلطنت میں معروف و متداول رہی ہے، اس لیے بہ کثرت اس کے نسخے ملتے ہیں۔ اس کا ایک قلمی نسخہ خدا بخش لائبریری پٹنہ میں موجود ہے۔ ۱۵؎

حواشی فتح الرحمن میں شاہ صاحب نے بعض مقامات پر اس کا حوالہ دیا ہے۔ ۱۶؎

انھوں نے فتح الرحمن کے مقدمہ میں لکھا ہے:

> ''تفسیر وجیز و تفسیر جلالین کہ بمنزلہ اصل این ترجمہ اند'' ۱۷؎
>
> ''تفسیر وجیز و تفسیر جلالین اس ترجمہ کی بنیاد کی حیثیت رکھتی ہیں۔''

اسی مقدمہ میں ایک اور جگہ لکھتے ہیں:

> ''وآنچہ ضروری است از اسباب نزول و توجیہ مشکل بقدر ضرور بکار آمد بوجہی کہ دریں چیز ہا مثل کتاب وجیز و جلالین باشد'' ۱۸؎
>
> ''اسباب نزول اور مشکل الفاظ کی تشریح کے سلسلے میں ضروری چیزیں حسب ضرورت بیان کر دی گئیں ہیں۔ ان چیزوں میں یہ ترجمہ تفسیر وجیز اور تفسیر جلالین کے مثل ہے''

۳–الکشاف

الکشاف عن حقائق التنزیل ابوالقاسم جاراللہ محمود بن عمر الزمخشری الخوارزمی (۴۶۷ھ۔ ۵۳۸ھ) کی مشہور تفسیر ہے۔ زمخشری نے یوں تو نحو، لغت، حدیث اور فقہ کے موضوعات پر بھی کتابیں لکھی ہیں، لیکن سب سے زیادہ شہرت کشاف کو حاصل ہوئی۔ اس کا سبب یہ ہے کہ اس میں قرآن کے وجوہِ اعجاز اور اس کے بلاغی پہلو کو نمایاں کیا گیا ہے۔ اگرچہ زمخشری معتزلی ہیں، لیکن مذکورہ خوبیوں کی وجہ سے اہلِ سنت کے درمیان بھی اس تفسیر کو قبول عام حاصل رہا ہے اور ہر دور کے علماء نے اسے اپنی توجہات کا مرکز بنایا ہے۔۱۹؎

شاہ ولی اللہ نے بعض مقامات پر اس کے حوالے دیے ہیں۔ مثلاً آیت: وَمَا اَهْلَكْنَا مِنْ قَرْيَةٍ اِلاّ وَ لَهَا كِتٰبٌ مَعْلُوْمٌ (الحجر:۴) کے ذیل میں زمخشری کے حوالے سے لکھتے ہیں:

> ''یہ جملہ (وَ لَهَا كِتٰبٌ مَعْلُوْمٌ) لفظ قریۃ کی صفت ہے اور قاعدہ یہ ہے کہ صفت اور موصوف کے درمیان حرف عطف (و) نہ آئے، مثلاً آیت :وَ مَا اَهْلَكْنَا مِنْ قَرْيَةٍ اِلاّ لَهَا مُنْذِرُوْنَ (الشعرائ:۲۰۸)، لیکن یہاں پر 'و' صفت وموصوف کے اتصال کی کے لیے آیا ہے۔''۲۰؎

حواشی فتح الرحمن میں آیت: فَلَمَّا اٰتٰهُمَا صٰلِحاً جَعَلَا لَهٗ شُرَكَآءَ فِيمَا اٰتٰهُمَا (الاعراف:۱۹۰) کی تشریح میں مفسرین کی متعدد توجیہات نقل کی ہیں۔ ایک توجیہ کے بارے میں لکھا ہے:

> ''زمخشری نے اس کے بارے میں لکھا ہے: ''هذا تفسير حسن لا اشكال فيه''۔ (یہ اچھی تفسیر ہے، اس میں کوئی اشکال نہیں ہے۔) لیکن اس پر زبردست اشکال وارد ہوتا ہے۔''۲۱؎

۴۔تفسیر البیضاوی

اس کا اصل نام انوارالتنزیل و اسرارالتاویل ہے۔ اس کے مؤلف ابوالخیر

ناصر الدین عبداللہ بن عمر بن محمد بن علی البیضاوی (م ۶۸۵ھ) عرصہ تک منصبِ قضا پر فائز رہے۔ شافعی المسلک تھے۔ اصولِ فقہ اور اصولِ دین وغیرہ میں ان کی متعدد تصانیف ہیں۔ ان کی اس تفسیر کو اہلِ علم کے نزدیک غیر معمولی مقبولیت حاصل ہوئی اور اس پر بہت سے لوگوں نے حواشی لکھے۔ امام بیضاوی نے اپنی اس تفسیر میں حکمت وکلام سے متعلق معلومات امام فخر الدین رازی (۶۰۶ھ) کی تفسیر کبیر سے، اشتقاق سے متعلق مسائل امام راغب اصفہانی (۵۰۲ھ) کی تفسیر سے اور اعراب ومعانی وبیان کے مباحث کشاف سے اخذ کیے ہیں۔ اس کے علاوہ اپنی طرف سے بھی بہت سے نکات ودقائق کا اضافہ کیا ہے۔ اس تفسیر کا شمار امہات کتب میں ہوتا ہے اور یہ بہت معروف ومتداول ہے۔ ۲۲؎

تفسیر بیضاوی سے استفادہ ہندوستان میں بھی عام رہا ہے۔ شاہ صاحب نے جو نصاب درس پڑھا تھا، اس میں بیضاوی کے بھی کچھ اجزاء شامل تھے۔ حواشی فتح الرحمن میں انھوں نے جا بہ جا اس کا حوالہ دیا ہے۔ ۲۳؎

۵۔ مدارک التنزیل

مدارک التنزیل وحقائق التاویل ابوالبرکات عبداللہ بن احمد بن محمود النسفی (م ۷۰۱ھ) کی تفسیر ہے۔ مصنف کی نسبت سے یہ 'تفسیر نسفی' بھی کہلاتی ہے۔ علامہ نسفی حنفی فقیہ تھے۔ فقہ واصولِ فقہ، اصولِ دین میں بھی ان کی متعدد تصانیف ہیں۔ ان کی تفسیر کو اصحابِ علم کے درمیان شہرت حاصل رہی ہے۔ اس میں خاص طور پر اعراب اور قراءت کے وجوہ پر روشنی ڈالی گئی ہے۔ اس سلسلے میں مصنف نے تفسیر کشاف اور تفسیر بیضاوی سے خاصا استفادہ کیا ہے۔ آیاتِ احکام بیان کرتے ہوئے وہ فقہی مسالک بیان کرتے ہیں اور بڑی سرگرمی سے حنفی مسلک کی حمایت اور دیگر مسالک کی تردید کرتے ہیں۔ ۲۴؎

شاہ ولی اللہ نے حواشی فتح الرحمن میں متعدد مقامات پر اس کا حوالہ دیا ہے۔ ۲۵؎

۶۔ تفسیر الجلالین

یہ کتاب تفسیر کی مختصر اور متداول کتابوں میں سے ہے۔ یہ دو مفسرین کی

مشترکہ تالیف ہے۔ چوں کہ دونوں کا نام جلال الدین تھا، اس نسبت سے اس کا نام تفسیر الجلالین پڑ گیا۔ دونوں مفسرین میں فرق کرنے کے لیے ایک کو جلال الدین محلّی اور دوسرے کو جلال الدین سیوطی کہا جاتا ہے۔

علامہ جلال الدین محلّی کا پورا نام محمد بن احمد بن محمد بن ابراہیم المحلّی الشافعی ہے۔ ان کی ولادت ۷۹۱ھ میں قاہرہ میں اور وفات وہیں ۸۶۴ھ میں ہوئی۔ انھیں عہدۂ قضا کی پیش کش کی گئی، مگر انھوں نے اسے قبول نہیں کیا۔ فقہ، کلام، اصول، نحو، منطق اور تفسیر میں انھیں مہارت حاصل تھی۔ علامہ جلال الدین سیوطی کا پورا نام عبدالرحمن بن ابی بکر بن محمد بن سابق الدین الخضیر ی السیوطی ہے۔ ۸۴۹ھ میں ان کی ولادت اور ۹۱۱ھ میں وفات ہوئی۔ انھوں نے قاہرہ میں یتیمی کی حالت میں پرورش پائی۔ آٹھ سال کی عمر میں قرآن حفظ کرلیا۔ غیر معمولی حافظہ تھا۔ کئی لاکھ احادیث یاد تھیں۔ چالیس سال کی عمر میں گوشہ نشین ہوگئے اور خود کو تصنیف و تالیف کے لیے وقف کردیا تھا۔ ان کی تصانیف کی تعداد پانچ سو سے زائد بتائی جاتی ہے، جو تمام اسلامی علوم سے متعلق ہیں۔ تفسیر و علوم القرآن میں ان کی کتابیں: الدرالمنثور فی التفسیر بالماثور، لباب النقول فی اسباب النزول، متشابہ القرآن، مفحمات الاقران فی مبہمات القرآن، الاتقان فی علوم القرآن اور طبقات المفسرین شہرت رکھتی ہیں۔

تفسیر جلالین کا آغاز علامہ جلال الدین محلّی نے کیا۔ انھوں نے سورۂ کہف سے تفسیر لکھنی شروع کی۔ سورۂ الناس تک لکھنے کے بعد پھر سورۂ فاتحہ سے آغاز کیا۔ ابھی یہ سورت ختم ہی کر پائے تھے کہ ان کی وفات ہوگئی۔ ان کے بعد علامہ جلال الدین سیوطی نے اس کی تکمیل کی۔ انھوں نے سورۂ بقرہ سے شروع کر کے سورۂ بنی اسرائیل پر ختم کیا۔ علامہ سیوطی نے علامہ محلّی کے اسلوبِ تفسیر کی پوری پیروی کی ہے۔ دونوں کی تحریروں میں کوئی نمایاں فرق محسوس نہیں ہوتا۔ ۲۶؎

تفسیر الجلالین حد درجہ مختصر تفسیر ہے۔ حاجی خلیفہ نے ایک یمنی عالم سے نقل کیا ہے کہ میں نے شروع سے سورۂ مزمل تک قرآن کریم اور تفسیر جلالین کے حروف گنے تو

دونوں کو برابر پایا۔ اس سے آگے تفسیر کے حروف قرآن کے حروف سے زیادہ ہیں۔ ۲۷؎

ایجاز واختصار کے باوجود یہ تفسیر اہل علم کے درمیان بہت زیادہ مقبول اور متداول رہی ہے۔ علماء نے اس پر بہ کثرت تعلیقات اور حواشی تحریر کیے ہیں اور اس سے غیر معمولی استفادہ کیا ہے۔

شاہ ولی اللہؒ نے، جیسا کہ اوپر صراحت گزری، اس تفسیر کو اپنے ترجمۂ قرآن کی بنیاد بنایا ہے۔ حواشی میں بھی کثرت سے اس کے حوالے دیے ہیں۔ ۲۸؎

۷— الاتقان فی علوم القرآن

یہ علامہ جلال الدین سیوطی کی معروف تصنیف ہے۔ شاہ صاحب نے اپنی بعض تصانیف میں اس کو بھی اپنا ماخذ بنایا ہے۔

فتح الخبیر میں شاہ صاحب نے قرآن کے مشکل الفاظ کی تشریح میں حضرت ابن عباسؓ کے جو آثار بیان کیے ہیں وہ سب انھوں نے الاتقان کی چھبیسویں نوع (فی معرفة غریبه) سے نقل کر لیے ہیں۔ ۲۹؎ علامہ سیوطی نے انھیں تین الگ الگ سندوں سے روایت کیا تھا اور ان میں سے ایک سند (من طریق ابن ابی طلحہ) کو 'من اصح الطرق عن ابن عباس' قرار دیا تھا۔ شاہ صاحب نے تینوں کو خلط ملط کر دیا ہے۔ اس سے یہ فائدہ تو ضرور ہوا ہے کہ تمام الفاظ مصحف کی ترتیب سے اکٹھا ہو گئے، لیکن ان کی استنادی حیثیت مجروح ہو گئی ہے، اس لیے کہ یہ تمیز کرنا ناممکن ہو گیا ہے کہ کون سی تشریح کس سند سے مروی ہے؟

شاہ صاحب نے الفوز الکبیر کی ایک فصل (باب دوم کی فصل دوم) میں 'ناسخ و منسوخ' کے موضوع پر بحث کی ہے۔ اس بحث کا ماخذ بھی علامہ سیوطی کی الاتقان ہے۔ شاہ صاحب نے لکھا ہے کہ متقدمین نسخ کو لغوی معنی میں استعمال کرتے تھے، یعنی ایک آیت کے بعض اوصاف کو دوسری آیت سے زائل کر دینا۔ اسی بنا پر انھوں نے منسوخ آیات کی تعداد پانچ سو تک پہنچا دی ہے، لیکن متاخر اصولیین نے اس کے اصطلاحی معنیٰ مراد لیے ہیں، اس لیے

ان کے نزدیک منسوخ صرف گنتی کی چند آیات ہیں۔ پھر فرماتے ہیں:

> ''علامہ جلال الدین سیوطی نے بیان مذکورہ بالا کو بعض علماء سے لے کر اپنی کتاب میں مناسب بسط کے ساتھ بیان کیا ہے اور جو آیات متاخرین کی رائے پر منسوخ نہیں ان کو شیخ محی الدین ابن عربی کے موافق تحریر کر کے قریباً بیس منسوخ آیتیں گنوائی ہیں۔'' ۳۰؎

اس کے بعد شاہ صاحب نے وہ تمام آیات درج کی ہیں جنھیں سیوطیؒ اور ابن العربیؒ نے منسوخ قرار دیا ہے، ساتھ ہی ان پر محاکمہ کیا ہے، جس سے منسوخ آیات کی تعداد گھٹ کر پانچ رہ جاتی ہے۔ ۳۱؎

حواشی ومراجع

۱؎ تفسیر وعلوم قرآن کے موضوع پر شاہ ولی اللہ کی تصانیف کے تفصیلی مطالعہ کے لیے ملاحظہ کیجئے: محمد سعود عالم قاسمی، حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ کی قرآنی فکر کا مطالعہ، اسلامک بک فاؤنڈیشن نئی دہلی، ۱۹۹۴ء ص: ۸۴۔۱۰۰، محمد ایوب قادری، مقالہ 'شاہ ولی اللہ دہلوی سے منسوب تصانیف' ماہ نامہ الرحیم حیدرآباد پاکستان، جون ۱۹۶۴ء

۲؎ المقدمۃ فی قوانین الترجمۃ، دیباچہ ومقدمہ فتح الرحمن اور حواشی فتح الرحمن کو پاکستان کے مشہور محقق ڈاکٹر احمد خاں نے ایڈٹ کر کے شائع کر دیا ہے۔ ملاحظہ کیجئے ان کا مقالہ بہ عنوان: ترجمۂ قرآن کریم میں شاہ ولی اللہ کے مناہج، خدا بخش لائبریری جرنل، پٹنہ، شمارہ ۱۱۵، مارچ ۱۹۹۹ء ص: ۱۔۲۷

۳؎ مثال کے طور پر ملاحظہ کیجئے حواشی فتح الرحمن (مقالہ احمد خاں: ۳۳، ۳۸، ۴۰، ۴۴، ۵۲ وغیرہ)

۴؎ حضرت شاہ ولی اللہ کی قرآنی فکر کا مطالعہ، ص: ۱۰۱۔۱۵۸، مصباح اللہ عبد الباقی، مقالہ: الامام ولی اللہ دہلوی وترجمتہ للقرآن: فتح الرحمن بترجمۃ القرآن، سہ ماہی

الدراسات الاسلامیۃ، مجمع البحوث الاسلامیۃ، الجامعۃ الاسلامیۃ العالمیۃ، اسلام آباد پاکستان، جلد ۴۴، شمارہ ۱، جنوری۔مارچ ۲۰۰۹ء ص: ۵۔۶۱

۵۔ پروفیسر محمد یٰسین مظہر صدیقی، شاہ ولی اللہ کے مآخذ: کتب وشخصیات، شاہ ولی اللہ اکیڈمی پھلت، ۲۰۱۰ئ، ص ۱۔ ۳، ۸۔ ۱۲، ۶۵۔ ۸۱ وغیرہ

۶۔ قرآن کریم میں شاہ ولی اللہ کے مناہج، ص: ۲۵

۷۔ مثلاً ملاحظہ کیجئے حواشی فتح الرحمن (قرآن کریم میں شاہ ولی اللہ کے مناہج، ص ۶۵، ۵۹) شاہ ولی اللہ کے مآخذ، حوالہ سابق

۸۔ اس کی روایت احمد، ترمذی، ابن جریر، ابن ابی حاتم، ابوشیخ، ابن مردویہ اور حاکم وغیرہ نے کی ہے۔

۹۔ حواشی فتح الرحمن، ص: ۴۵

۱۰۔ ملاحظہ کیجئے ابوعبداللہ القرطبی، الجامع الاحکام القرآن، دار الکتب العلمیۃ بیروت، ۱۹۸۸ء، المجلد ۴، الجزء ۷، ص ۲۱۴۔۲۱۵، ابن کثیر، تفسیر القرآن العظیم، دار الحدیث القاھرۃ، ۲۰۰۵ئ، ۳/ ۵۷۵۔۵۷۶؛ محمد ناصرالدین البانی، سلسلۃ الاحادیث الضعیفۃ والموضوعۃ، المکتب الاسلامی بیروت، ۱/ ۵۱۶، حدیث نمبر: ۳۴۲

۱۱۔ شاہ ولی اللہ، الفوز الکبیر فی اصول التفسیر، اردو ترجمہ: رشید احمد انصاری، مکتبہ برہان دہلی، ۱۹۵۵ء ص ۱۲

۱۲۔ ان سندوں کی استنادی بحث کے سلسلے میں ملاحظہ کیجیے مولانا سید جلال الدین عمری، تجلیات قرآن، مضمون: قرآن مجید کے ماہر صحابۂ کرام، ص ۴۹۷—۴۹۸

۱۳۔ خیر الدین الزرکلی، الاعلام، دار العلم للملایین بیروت، ۱۹۹۷ئ: ۴/ ۲۵۵

۱۴۔ حواشی فتح الرحمن، ص: ۳۶، ۴۲، ۵۵

۱۵۔ حضرت شاہ ولی اللہ کی قرآنی فکر، ص: ۱۶، بہ حوالہ سی۔اے۔اسٹوری (C.A. Story) پرشین لٹریچر، لندن، ۱۹۵۳ء: ۱/ ۴

۱۶۔ حواشی فتح الرحمن، ص: ۳۶

۱۷؎ مقدمہ فتح الرحمن (قرآن کریم میں شاہ ولی اللہ کے مناہج، ص:۲۶)

۱۸؎ حوالہ سابق، ص: ۲۳

۱۹؎ تفسیر الکشاف کے مفصل مطالعہ کے لیے ملاحظہ کیجئے ڈاکٹر فضل الرحمن گنوری، زمخشری کی تفسیر الکشاف ۔ ایک تحلیلی جائزہ، شعبۂ دینیات سنی، علی گڑھ مسلم یونیورسٹی علی گڑھ

۲۰؎ الفوز الکبیر، حوالہ سابق، ص ۵۵

۲۱؎ حواشی فتح الرحمن، ص ۴۵

۲۲؎ محمد حسین الذھبی، التفسیر والمفسرون، مکتبۃ وھبۃ القاھرۃ، ج ۱، ص ۲۱۱۔۲۱۶

۲۳؎ حواشی فتح الرحمن، ص ۳۶، ۵۶، ۵۷، ۵۸، ۵۹، ۶۰، ۶۱

۲۴؎ التفسیر والمفسرون، حوالہ سابق، ج ۱، ص ۲۱۶۔۲۲۰

۲۵؎ حواشی فتح الرحمن، ص ۳۲، ۳۳، ۳۷، ۴۳، ۴۷، ۴۸، ۵۱، ۵۲، ۵۶

۲۶؎ التفسیر والمفسرون، حوالہ سابق، ج ۱، ص ۱۸۰، ۲۳۷۔۲۴۰

۲۷؎ حاجی خلیفہ، کشف الظنون

۲۸؎ حواشی فتح الرحمن میں شاہ صاحب نے نوّے سے زائد مقامات پر جلالین کا حوالہ دیا ہے۔ ان میں سے ۶۸ مقامات پر کذا فی الجلالین لکھا ہے، بائیس مقامات پر قال المحلّی تحریر کیا ہے اور صرف دو تین جگہوں پر علامہ سیوطی کے نام کی صراحت کی ہے۔

۲۹؎ جلال الدین السیوطی، الاتقان فی علوم القرآن، ادارۃ الرشید دیوبند ۱ / ۲۴۴۔ ۲۸۲

۳۰؎ الفوز الکبیر، حوالہ سابق، ص ۳۲

۳۱؎ حوالہ سابق، ص ۴۸۔۵۰

☆☆☆

فتویٰ نویسی کا تاریخی ارتقاء

——————— پروفیسر محمد انس حسان

اصطلاحِ شرع میں پیش آمدہ واقعات کے بارے میں دلیل شرعی کے ذریعے حکمِ الٰہی بتانے کو 'فتویٰ' کہتے ہیں۔ ا؎ فتویٰ ایک اہم ذمہ داری ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ مفتی شارع کے نائب کی حیثیت سے دینی معاملات میں لوگوں کی رہ نمائی کرتا ہے۔ اسی اہمیت کے پیش نظر فتویٰ نویسی کے اصول وقواعد کو باقاعدہ فن کی شکل دی گئی۔ اس فن کو 'رسم المفتی' کہتے ہیں۔

مسلم معاشرہ میں فتویٰ نویسی کو بڑی اہمیت حاصل رہی ہے۔ چوں کہ ایک مسلمان کو دینی اور دنیاوی معاملات میں جدید مسائل کا سامنا کرنا پڑتا ہے اس لیے معاشرہ میں اس کی موجودگی ازبس ضروری ہوجاتی ہے۔ نبی کریم ﷺ کے دور مبارک سے لے کر اب تک علماء نے اس اہم ذمہ داری کو نبھایا ہے اور اس کے اصول، شرائط اور آداب پر بھی سیر حاصل گفتگو کی ہے۔ ابن الصلاح کے مطابق افتاء کے لیے مرد ہونا ضروری نہیں، بلکہ عورت بھی فتویٰ دے سکتی ہے۔ ۲؎ چنانچہ نبی کریم ﷺ کے زمانے میں ازواج مطہرات فتویٰ دیا کرتی تھیں۔ شیخ سعید فائز الدخیل نے حضرت عائشہؓ کے تمام فتاویٰ کو کتابی شکل میں شائع کیا ہے۔ ۳؎ فقہ حنفی کی مشہور کتاب 'بدائع الصنائع' کے مولف علامہ علاؤ الدین کاسانی کی اہلیہ فاطمہ فتویٰ دیا کرتی تھیں۔ ۴؎ ڈاکٹر عمر رضا کحالہ نے 'أعلام النساء' میں فتویٰ دینے والی عورتوں کی کافی تفصیل فراہم کی ہے۔ ۵؎

مفتی اور قاضی کو عام طور پر مترادف سمجھا جاتا ہے، لیکن ان میں فرق ہے۔ شیخ وہبۃ الزحیلی کے مطابق مفتی اور قاضی میں فرق یہ ہے کہ: ''مفتی اطلاع دینے والا اور قاضی اسے

لازم کرنے والا ہوتا ہے''۔۶ چنانچہ مفتی کے فتویٰ کی حیثیت عمومی ہوتی ہے، جب کہ قاضی کا فیصلہ ایک خاص واقعہ سے متعلق ہوتا ہے۔لیکن یہ دونوں خوبیاں ایک شخص میں اکٹھی بھی ہوسکتی ہیں، جیسا کہ عہدِ صحابہ میں بعض صحابہ فتویٰ بھی دیتے تھے اور قاضی بھی تھے۔

فتاویٰ دراصل مسلم معاشرہ کے معاشی ،سیاسی اور سماجی مسائل کے عکاس ہوتے ہیں۔ان سے پتہ چلتا ہے کہ ایک مخصوص معاشرہ کے لوگ ایک مخصوص وقت اور حالات میں کن مسائل کا شکار تھے؟ معاشرتی تغیرات اور علمی وفکری اختلافات کی نوعیت کیا تھی؟ ان مسائل کے حل کے لیے اس دور کے اہل علم نے کس نہج پر سوچا اور کن اصولوں کو پیش نظر رکھا؟ نیز ان فتاویٰ نے مسلم معاشرہ پر کتنے اثرات مرتب کیے؟ چنانچہ امام ابوحنیفہؒ، امام مالکؒ، امام شافعیؒ، امام احمد بن حنبلؒ، علامہ ابن تیمیہؒ اور برصغیر میں شاہ عبدالعزیز دہلویؒ کے فتاویٰ نے مسلم معاشرہ پر بڑے گہرے اثرات مرتب کیے۔ بہت سے علماء کے فتاویٰ انقلابی اور فکری تحریکات کا باعث بنے۔تاہم بعض فتاویٰ مسلم معاشرہ میں فکری انتشار کا باعث بھی بنے اور یہ عمل برصغیر میں مسلمانوں کے زوال کے بعد شروع ہوا۔یہی وجہ ہے کہ بارہ سو سال میں اتنے فتوے نہیں دیے گئے جتنے برصغیر کے دوسو سالہ دور غلامی میں جاری کیے گئے۔ اس دور میں ہمیں فتوؤں میں شدت پسندی نیز مسلکی وسیاسی منافرت کا عنصر واضح طور پر نظر آتا ہے۔

عہدِ نبوی میں فقہ وفتویٰ

نبی کریم ﷺ کے عہد میں فقہ وفتویٰ سے متعلق جملہ امور آپؐ کی ذات سے وابستہ تھے۔طریقہ یہ تھا کہ صحابۂ کرام کو جب کوئی مشکل مسئلہ پیش آتا تو وہ آپؐ کی طرف رجوع کرتے، کیوں کہ جملہ امور میں آپؐ ہی شارعِ اسلام اور مرجع خلائق تھے۔صحابہ کرامؓ ہر اہم مسئلہ میں آپؐ کی جانب متوجہ ہوتے۔ان سوالات کے جوابات بسا اوقات قرآنی آیات کی صورت میں نازل ہوتے۔اس تعلق سے قرآن کریم نے یَسْتَفْتُوْنَکَ (وہ آپؐ سے فتویٰ پوچھتے ہیں)، یَسْئَلُوْنَکَ (وہ آپؐ سے سوال کرتے ہیں) جیسے الفاظ استعمال کیے ہیں۔ قرآن کریم میں یہ الفاظ سترہ مقامات پر آئے ہیں۔۷

دریافت کیے گئے امور کی وضاحت بھی دراصل آپؐ کے فرضِ منصبی میں شامل تھی۔ ارشاد باریٰ تعالیٰ ہے:

لِتُبَيِّنَ لِلنَّاسِ مَا نُزِّلَ إِلَيْهِمْ (النحل:۴۴)

''آپؐ بیان کر دیجیے لوگوں کے سامنے وہ چیز جو ان کی طرف نازل کی گئی ہے''۔

بعض اوقات صحابہ کرامؓ کے سوالات کے جوابات نبی کریم ﷺ اپنے ارشادات سے بھی دیتے تھے۔ چنانچہ کتبِ حدیث وسیرت میں ان سوالات کے جوابات ملتے ہیں۔ عہدِ نبویؐ میں تحریری اور زبانی دونوں طرح سے فتویٰ دیا جاتا تھا۔ ۸؎ بسا اوقات یوں بھی ہوتا کہ آپؐ پوچھنے والے سے فرماتے کہ جاؤ، ابوبکرؓ سے پوچھو۔ ۹؎

علماء کرام نے نبی کریم ﷺ کے فتاویٰ کو ایک جگہ اکٹھا کرنے کی کوشش کی ہے۔ چنانچہ علامہ ابن قیم الجوزیہ نے اپنی کتاب 'إعلام الموقّعین' میں آپؐ کے بارہ سو فتاویٰ کو جمع کیا ہے۔ ۱۰؎ مولانا سید اصغر حسین دیوبندی نے 'فتاویٰ محمدی مع شرح دیوبندی' میں آپؐ کے کل ایک سو بیس فتاویٰ مع ترجمہ اکٹھے کیے ہیں۔ ۱۱؎ عہدِ نبویؐ کے ان فتاویٰ پر علامہ ابن قیمؒ نے یہ تبصرہ کیا ہے:

''رسول اللہ ﷺ کے فتوے جامع احکام اور فیصلہ کن ارشادات پر محیط ہوتے تھے۔ یقیناً پیروی کے اعتبار سے کتاب اللہ کے بعد دوسرا درجہ آپؐ کے فتاویٰ کا ہے اور اہلِ ایمان کے لیے کسی بھی صورت میں ان سے انحراف جائز نہیں''۔ ۱۲؎

آج کل فتویٰ دینے کا جو طریقہ ہمارے ہاں رائج ہے وہ صرف جائز و ناجائز اور حلال وحرام کی صراحت کر دینے کا ہے، لیکن نبی کریم ﷺ کا اسلوبِ افتاء اس سے مختلف تھا۔ آپؐ کا قول اگرچہ بہ ذات خود حجت تھا، مگر آپ پیش آمدہ مشکلات کے حل کی وضاحت اور اس کی علّت بھی بتا دیتے تھے۔ اس سلسلے میں شیخ محمد شفیق العانی فرماتے ہیں:

''رسول اللہ ﷺ نے جو فتاویٰ اپنی زندگی میں صادر فرمائے، وہ جامع ترین احکام پر مشتمل تھے۔ وہ فروعی مسائل کے استنباط کے سلسلے میں سرچشمہ کی حیثیت رکھتے ہیں''۔ ۱۳؎

فتویٰ نویسی عہدِ صحابہ میں

نبی کریم ﷺ کے بعد صحابہ کرام بالخصوص خلفاء راشدین کا عہد فتویٰ نویسی کے حوالے سے اہم ہے۔ خلفاء راشدین کے ان احکام، مکاتیب اور فتاویٰ کو پروفیسر خورشید احمد فاروق نے چار الگ الگ مجلدات میں شائع کیا ہے۔

صحابہ کرامؓ کے دور میں کئی جدید مسائل سامنے آئے جن پر غور وخوض کی ضرورت محسوس ہوئی۔ اس دور میں قرآن وسنت کے علاوہ اجماع اور قیاس کا اضافہ ہوا، اجماع کو منظم شکل دی گئی اور رائے کے استعمال کے لیے فقہی قواعد واصول منضبط ہوئے۔ اس دور میں فتووں کے حوالے سے صحابہ کرامؓ میں اختلاف بھی رونما ہوا۔ مولانا تقی امینی نے صحابۂ کرام کے اختلافات کے درج ذیل اسباب بیان فرمائے ہیں:

۱— قرآن کریم کو سمجھنے میں اختلاف
۲— حدیث کی لاعلمی کی وجہ سے اختلاف
۳— حدیث کے قبول کرنے میں اختلاف
۴— رائے کی وجہ سے اختلاف ۱۴؎

صحابہ کرامؓ کے چار طبقات تھے:

پہلا طبقہ: یہ ان صحابہ کرامؓ کا طبقہ ہے جن سے بہت زیادہ فقہی مسائل منسوب ہیں۔ یہ حضرات خلفاء راشدین ہیں۔

دوسرا طبقہ: یہ متخصّصین کا طبقہ ہے۔ اس کو فقہی حوالے سے بہت زیادہ شہرت حاصل ہوئی۔ ان میں حضرت معاذ بن جبلؓ، حضرت ابوموسیٰ اشعریؓ اور حضرت زید بن ثابتؓ وغیرہ شامل ہیں۔

تیسرا طبقہ: یہ مکثّرین کا طبقہ ہے، یعنی جن سے بہت زیادہ اجتہادات اور فتاویٰ منقول ہیں۔

چوتھا طبقہ: یہ مقلّین کا طبقہ ہے۔ ان لوگوں سے بہت کم فتاویٰ مروی ہیں۔ ۱۵؎

اس دور میں استنباط صرف ان فتووں تک محدود تھا جو وہ لوگ دیتے تھے جن سے کسی

واقعہ کے متعلق سوال کیا جاتا تھا۔ یہ لوگ مسائل کے اثبات اور سوالات کے جوابات میں بہت زیادہ توسّع سے کام نہیں لیتے تھے، بلکہ اس کو مکروہ سمجھتے تھے۔ جب تک کوئی مسئلہ پیدا نہ ہوجاتا اس کے متعلق اپنی رائے ظاہر نہیں کرتے تھے۔ جب مسئلہ پیدا ہوجاتا تو اس کے لیے استنباطِ حکم میں اجتہاد کرتے تھے۔ یہی وجہ ہے کہ کبارِ صحابہ سے جو فتوے منقول ہیں ان کی تعداد بہت کم ہے۔ صحابہ کرامؓ کے فتاویٰ کے حوالے سے علامہ خضری لکھتے ہیں:

> ''اس دور میں فتاویٰ زیادہ تر زبانی روایت ہوتے رہے۔ لیکن بعض فتاویٰ تحریر میں بھی آئے، جن میں سے بعض تو وہ تھے جو خلفاء راشدین کے سرکاری احکام کی شکل میں قلم بند ہوکر مختلف دیار وامصار کو ارسال ہوتے رہے اور بعض فتاویٰ انفرادی کوششوں سے بھی قلم بند کیے گئے''۔[۱۶]

صحابہ کرامؓ فتویٰ نویسی میں کمال احتیاط ملحوظ رکھتے تھے۔ وہ اپنی رائے کا اظہار کم سے کم کرتے تھے۔ ہر مسئلہ قرآن وسنت اور اجماع کی روشنی میں حل کرنے کی کوشش کرتے تھے۔

فتویٰ نویسی تابعین اور تبع تابعین کے دور میں

صحابہ کرامؓ کے بعد تابعین اور تبع تابعین کا دور آتا ہے۔ اس دور میں منصب افتاء اجلّۂ تابعین کے سپرد رہا۔ ان میں سے بعض تو ایسے تھے جو صحابہ کرامؓ کی موجودگی میں بھی فتویٰ دیتے تھے۔ مثلاً حضرت سعید بن المسیبؒ اور حضرت سعید بن جبیرؒ وغیرہ۔[۱۷] تابعین اور تبع تابعین نے صحابہ کرام کے فقہی افکار اور فتاویٰ کی روشنی میں اس کو باقاعدہ ایک فن کی شکل دی۔ اسی دور میں صحابہ کرام کے شاگردانِ رشید نے ان کی آراء اور فتاویٰ کو عام کیا اور بہت سے فقہی مکاتب ومسالک وجود میں آئے۔ ان میں سے بعض درج ذیل ہیں:

فقہ حنفی	(امام ابوحنیفہؒ، ۸۰ھ ـــ ۱۵۰ھ)
فقہ مالکی	(امام مالکؒ، ۹۳ھ ـــ ۱۷۹ھ)

فقہ شافعی (امام شافعیؒ، ۱۵۰ھ—۲۰۴ھ)
فقہ حنبلی (امام احمد بن حنبلؒ، ۱۶۴ھ—۲۴۱ھ)
فقہ جعفری (امام جعفر صادقؒ، ۸۰ھ—۱۴۸ھ)
فقہ اباضی (امام عبداللہ بن اباضؒ، م ۸۶ھ)
فقہ ظاہری (امام داؤد ظاہریؒ، ۲۰۱ھ—۲۷۰ھ)
فقہ اوزاعی (امام اوزاعیؒ، ۸۸ھ—۱۵۷ھ)

امام ابوحنیفہؒ نے فتویٰ نویسی میں اجتماعی رائے کو ترجیح دی۔ انہوں نے چالیس فقہاء کی ایک مجلس قائم کی جو باہم غور وخوض کے بعد مسئلہ کا حل نکالتی، پھر اس کو لکھ لیا جاتا۔ امام صاحبؒ کی اس مجلس نے بڑی تعداد میں فتاویٰ اکھٹے کیے۔ اس دور میں کوفہ میں تین بڑے فقیہ بھی موجود تھے: سفیان بن سعید ثوریؒ، شریک بن عبداللہ نخعیؒ، عبدالرحمن بن ابی لیلیٰؒ۔ ان حضرات سے فقہی آراء اور فتاویٰ کے حوالے سے امام صاحب کی علمی نوک جھوک چلتی رہتی تھی۔ ان کے علمی وفکری اختلافات اور دلائل و براہین دیکھ کر عقل حیران رہ جاتی ہے۔ بہ ہرحال امام صاحبؒ کے فقہی افکار میں تنوع اور گہرائی پائی جاتی ہے۔ وہ ان مسائل پر بھی غور وفکر کرتے اور کسی نتیجہ تک پہنچنے کی کوشش کرتے جو ابھی معرض وجود میں نہ آئے تھے۔

امام مالکؒ بھی حدیث اور فقہ کے امام تھے۔ ان کی کتاب 'الموطأ' احادیث مبارکہ اور ان کے فقہی افکار کا مجموعہ ہے۔ وہ فتویٰ دینے کے حوالے سے اگرچہ بہت محتاط تھے، مگر ان کے فتاویٰ کا کافی بڑا ذخیرہ محفوظ کرلیا گیا ہے۔

امام شافعیؒ نے اصول فقہ کے موضوع پر پہلی کتاب 'الرسالۃ' تحریر کی، نیز اپنے فتاویٰ کو پہلے 'الحجۃ' اور پھر 'کتاب الام' میں جمع کیا۔ ان کے انتقال سے چار سال قبل کے فتاویٰ ان کی کتاب 'الحجۃ' میں منقول تھے (جو نایاب ہے)، مگر بعد میں انھوں نے اپنے قدیم فتاویٰ پر غور وفکر کیا اور انہیں 'کتاب الام' کی چار جلدوں میں درج کیا۔ ان کے پہلے فتاویٰ کو 'قول قدیم' اور بعد کے فتاویٰ کو 'قول جدید' کہتے ہیں۔

امام احمد بن حنبلؒ نے اگرچہ حدیث میں 'مسند' کی تدوین کی، مگر ان کے فقہی افکار کا بھی ایک بڑا مجموعہ ہے۔ امام صاحب اپنے اقوال وآراء اور فتاویٰ لکھنے کے سخت مخالف تھے،

مگر ان کے شاگرد حبیش بن سندی نے دو جلدوں میں ان کے فتاویٰ اور مسائل جمع کیے اور ابو بکر خلال نے بھی 'الجامع الکبیر' کی بیس مجلدات میں ان کے مسائل اکٹھے کیے ہیں۔

فتویٰ نویسی اور ائمۂ مجتہدین

ائمہ مجتہدین کے دور میں فتویٰ نویسی کے حوالے سے اجتہاد سے کام لیا جاتا تھا۔مسائل کی کثرت اور سلطنت کی وسعت نے انھیں جدید مسائل پر غور وخوض کرنے پر آمادہ کیا۔اصول فقہ کی تدوین بھی اسی دور میں ہوئی۔اس دور میں قیاس اور استحسان کو ماخذ شریعت قرار دینے پر اختلاف ہوا۔اس کے نتیجے میں اہل الرائے اور اہل الحدیث کے مکاتب وجود میں آئے۔اول الذکر عقل اور قیاس کی بنیاد پر فتویٰ نویسی کرتا تھا، جب کہ موخر الذکر قیاس کے بجائے حدیث کو حجت سمجھتا تھا۔ائمہ مجتہدین کے اس دور میں اگرچہ فقہی اختلافات سامنے آئے، لیکن ان میں اس درجہ شدت نہیں تھی کہ ایک دوسرے کی رائے کا احترام نہ کیا جائے۔اس دور کی فتویٰ نویسی کی سب سے بڑی خوبی یہ ہے کہ اس میں جمود وتقلید نام کی کوئی چیز نہیں تھی۔

فتویٰ نویسی بعد کے ادوار میں

ائمہ مجتہدین کے دور کے بعد فتویٰ نویسی کے سلسلے میں جمود وتقلید کا ایک طویل عرصہ ہے۔اس دور میں اجتہاد رک گیا اور علماء ائمہ مجتہدین کے دائروں میں محدود ہو کر رہ گئے۔مفتیان وقت کی علمی سرگرمیاں شروح اور تنقیحات تک محدود ہو کر رہ گئیں۔اس موقع پر اسی دور کے ایک عالم علامہ ابن قیمؒ کہہ اٹھے:

> ''فقہ اسلامی میں بعض ایسی مشکلات، دقتیں اور لاینحل مسائل پیدا ہو گئے ہیں جو کسی بھی فلسفۂ قانون کے شایان شان نہیں۔'' ۱۸؎

اس جمود وتقلید کو آٹھویں صدی ہجری میں علامہ ابن تیمیہؒ نے توڑا۔انھوں نے تقلید جامد کے خلاف علمِ بغاوت بلند کیا۔ان کے فتاویٰ سعودی عرب سے شائع ہو گئے ہیں۔۱۹؎ امام بغویؒ نے اپنے فتاویٰ خود جمع کیے اور ان کی زندگی ہی میں قاضی حسین نے ان سے مزید فتاویٰ حاصل کیے اور ان پر تعلیقات لکھیں۔۲۰؎ علامہ سُبکی نے بھی دو جلدوں میں

فتاویٰ اکٹھے کیے۔ اسی طرح علامہ سیوطیؒ نے بھی 'الحاوی للفتاوی' کے نام سے اپنے فتاویٰ کتابی شکل میں جمع کیے۔ اس دور کے فتاویٰ میں تجدید و احیائے دین کے مسائل پر غور وخوض ہوا۔ بروکلمان نے تاریخ ادبیاتِ عربی میں تیسری صدی ہجری سے گیارہویں صدی ہجری تک کے ایک سو دو (۱۰۲) عربی مجموعہ ہائے فتاوی کی فہرست دی ہے۔۲۱؎

بعد ازاں خلافتِ عثمانیہ کے زیر سایہ ایک جامع فقہی کتاب مرتب کی گئی، جس کا نام 'مجلة الاحکام العدلیة' رکھا گیا۔ اسے ملکی قانون کے طور پر رائج کیا گیا۔ اس کتاب میں تمام فقہاء کے فقہی افکار سے استفادہ کیا گیا ہے۔ اس کام کا آغاز ۱۸۵۶ء میں ہوا اور وہ ۱۸۷۶ء میں مکمل ہوا۔ اس کتاب کو سولہ حصوں میں تقسیم کیا گیا تھا اور اس میں جملہ فقہی مسائل کا احاطہ کرنے کی کوشش کی گئی تھی۔ یہ خلافتِ عثمانیہ کا پہلا مدوّن اور کوڈی فائڈ سول لا تھا، جو فقہ اسلامی سے بالعموم اور فقہ حنفی سے بالخصوص ماخوذ تھا۔۲۲؎ اس کے بہت دُور رس نتائج برآمد ہوئے اور فقہ اسلامی ایک جدید دور میں داخل ہوگئی۔ ڈاکٹر محمود احمد غازیؒ لکھتے ہیں:

> ''جب بیسویں صدی کا آغاز ہوا تو 'مجلة الاحکام العدلیة' پوری سلطنتِ عثمانیہ کی حدود مشرقی یورپ کے کئی ممالک، ترکی، وسط ایشیا کا کچھ حصہ، عراق، شام، فلسطین، لبنان، الجزائر، لیبیا، تیونس اور جزیرۂ عرب کے بعض علاقوں تک پھیلی ہوئی تھی۔ ہم بلاخوفِ تردید کہہ سکتے ہیں کہ ۱۸۷۶ء سے لے کر ۱۹۲۵ء تک کا زمانہ 'مجلة الاحکام العدلیة' کی حکمرانی کا زمانہ تھا۔''۲۳؎

انگریز کے نو آبادیاتی نظام نے عرب ممالک کو فقہی قانون سازی پر توجہ دلائی۔ چنانچہ الاستاد عبدالقادر عودہ نے 'التشریع الجنائی الاسلامی' کے نام سے ایک کتاب لکھی۔ اسی طرح الاستاد مصطفی احمد الزرقاء نے بھی فقہ اسلامی میں زبردست کام کیا۔ کویت کی وزارۃ الاوقاف نے 'الموسوعة الفقهية' کے نام سے فقہی انسائیکلوپیڈیا پینتالیس جلدوں میں تیار کیا۔ اس کا اردو ترجمہ 'اسلامک فقہ اکیڈمی' (انڈیا) سے شائع ہو رہا ہے۔ اسی طرز کا ایک موسوعہ مصر نے بھی شائع کیا ہے، جو دس

جلدوں پر مشتمل ہے۔ خلافتِ عثمانیہ کے خاتمے کے بعد اگرچہ 'مجلۃ الاحکام العدلیۃ' کا اثر کم ہو گیا، مگر 'فتاویٰ عالمگیری' کے بعد اس جیسا منظم کام دوبارہ نہیں ہوا۔ ۲۴؎

برصغیر ہند میں فتویٰ نویسی

برصغیر میں فتویٰ نویسی کا باقاعدہ سلسلہ چوتھی صدی ہجری کے بعد شروع ہوا۔ جب اس براعظم میں آزاد سلطنتیں قائم ہوئیں اور جگہ جگہ مساجد و مدارس قائم ہوئے تو علمائِ کرام نے باقاعدہ فتویٰ نویسی کا آغاز کیا۔ ہندوستان کے مسلمان بادشاہوں کو فقہ اسلامی سے خاص دل چسپی تھی۔ سلطان محمود غزنوی نے 'التفرید فی الفروع' نامی کتاب لکھی، جس میں فقہ شافعی کے تقریباً ساٹھ ہزار مسائل ذکر کیے گئے ہیں۔ ۲۵؎ اسی طرح ظہیر الدین بابر نے بھی اصول مذاہب پر ایک کتاب لکھی تھی۔ ۲۶؎ ان مسلمان بادشاہوں نے درج ذیل کتبِ فتاوی میں خصوصی دل چسپی لی اور یہ انہی کی مرہون منت ہیں:

(۱) فتاویٰ فیروز شاہی (۲) فتاویٰ ابراہیم شاہی (۳) فتاویٰ اکبر شاہی
(۴) فتاویٰ عادل شاہی (۵) فتاویٰ تاتارخانی (۶) فتاویٰ عالم گیری

ان میں سب سے زیادہ شہرت فتاویٰ عالم گیری کو حاصل ہوئی۔ یہ کتاب اصلاً عربی زبان میں لکھی گئی تھی۔ بعد میں اورنگ زیب عالم گیر نے مولانا عبداللہ رومی سے اس کا فارسی ترجمہ کروایا۔ اس کتاب کا اردو ترجمہ مولانا امیر علی لکھنوی نے 'فتاویٰ ہندیہ' کے نام سے کیا ہے۔ ۲۷؎ باقی فتاویٰ کے بھی اردو تراجم دستیاب ہیں۔

ان فتاویٰ کی اہم بات یہ ہے کہ یہ ایک آزاد ریاست میں اجتماعی مفادات اور ملکی قانون کے طور پر مرتب کیے گئے تھے۔ اس کے بعد برصغیر میں انگریزوں کے تسلط نے مسلم پرسنل لا کی بنیاد رکھی۔ اس دور میں نجی فتوؤں کی بنیادیں بھی مضبوط ہوئیں۔ ڈاکٹر جلال الدین احمد نوری لکھتے ہیں:

> ''نجی فتووں کے زیادہ تر مجموعے اس وقت نظر آتے ہیں جب مسلمان دورِ غلامی میں داخل ہوئے۔ چنانچہ ۱۸۵۷ء سے کچھ قبل اور بعد میں مختلف زبانوں میں عموماً اور اردو زبان میں خصوصاً اس قسم کے مجموعوں کا پتہ چلتا ہے''۔ ۲۸؎

برصغیر میں پہلا معلوم دار الافتاء مفتی رضا علی خان (۱۸۰۹—۱۸۶۹ئ) نے ۱۸۳۱ء میں بریلی (اتر پردیش) میں قائم کیا۔۲۹؎ اسی طرح مفتی رحیم بخش (۱۸۳۴—۱۸۹۲ئ) نے ۱۸۶۲ء میں جامع مسجد فتح پوری (دہلی) میں دار الافتاء قائم کیا۔۳۰؎ ۱۸۸۷ء میں دار العلوم انجمن نعمانیہ (لاہور) میں دار الافتاء کی بنیاد رکھی گئی۔۳۱؎ ۱۸۶۷ء میں دار العلوم دیو بند قائم کیا گیا۔ اگرچہ یہاں پر فتویٰ نویسی کا آغاز ۱۸۷۶ء میں ہوچکا تھا، لیکن ۱۸۹۲ء میں باقاعدہ طور پر دار الافتاء قائم کیا گیا۔۳۲؎ نومبر ۱۹۱۱ء سے اپریل ۲۰۱۴ء تک اس دار الافتاء سے سات لاکھ سے زائد فتاویٰ جاری ہوچکے ہیں۔ ۳۳؎

فتاویٰ کے اہم مجموعے

برصغیر پاک وہند میں جو فتاویٰ مرتب ہوئے وہ اکثر حنفی علماء کے ہیں، اگرچہ جنوبی ہندوستان میں اس حوالے سے شافعی علماء نے بھی کام کیا ہے، مگر وہ نہ ہونے کے برابر ہے۔ ہمارے لیے یہ کہنا مشکل ہے کہ برصغیر میں پہلا شخصی مجموعۂ فتاویٰ کس کا شائع ہوا؟ تاہم ذیل میں برصغیر کے چند ابتدائی مجموعہ ہائے فتاویٰ کی فہرست درج کی جاتی ہے:

(۱) فتاویٰ عزیزی: اس کے مؤلف شاہ عبد العزیز دہلوی (۱۷۴۶—۱۸۲۴ئ) ہیں۔ ایک جلد اور چار سو سڑسٹھ (۴۶۷) صفحات پر مشتمل یہ مجموعہ پہلی مرتبہ ۱۳۱۳ھ میں مطبع کنز العلوم (حیدرآباد دکن) سے شائع ہوا۔ اس کی خاص بات یہ ہے کہ اس میں برصغیر میں انگریزوں کی آمد کے بعد پیدا ہونے والے مسائل کا پہلی مرتبہ بڑی تفصیل سے جائزہ لیا گیا ہے۔

(۲) مجموعۃ الفتاویٰ: اس کے مؤلف مولانا عبد الحی لکھنوی (۱۸۴۸—۱۸۸۶ئ) ہیں۔ یہ مجموعہ تین جلدوں، ایک ہزار ایک سو اٹھائیس (۱۱۲۸) صفحات اور ایک ہزار پچاسی (۱۰۸۵) فتاویٰ پر مشتمل ہے۔ پاکستان سے پہلی مرتبہ اسے ۱۹۸۴ء میں ایچ۔ایم سعید کمپنی (کراچی) نے طبع کیا ہے۔

(۳) جامع الفتاویٰ: اس کے مؤلف عبد الفتاح حسینی نقوی (۱۸۱۹—۱۸۸۳ئ)

ہیں۔ یہ مجموعہ ایک جلد اور تین سو پندرہ (۳۱۵) صفحات پر مشتمل ہے۔ ۱۸۸۸ء میں مطبع فتح الکریم (بمبئی) سے طبع ہوا۔

(۴) فتاویٰ مسعودی: اس کے مؤلف مسعود شاہ دہلوی (۱۸۳۴–۱۸۹۲ئ) ہیں۔ یہ مجموعہ ایک جلد، چھ سو چالیس (۶۴۰) صفحات اور ایک سو ساٹھ (۱۶۰) فتاویٰ پر مشتمل ہے۔ ۱۹۸۷ء میں پہلی مرتبہ سرہند پبلی کیشنز (کراچی) سے طبع ہوا۔

(۵) فتاویٰ رشیدیہ: اس کے مؤلف مولانا رشید احمد گنگوہی (۱۸۲۹–۱۹۰۵ئ) ہیں۔ اس مجموعے میں ۱۸۸۰ء سے ۱۹۰۵ء تک کے تقریباً گیارہ سو (۱۱۰۰) فتاویٰ شامل ہیں۔ مولانا گنگوہی کے کئی گم شدہ فتاویٰ مولانا نورالحسن راشد کاندھلوی نے دریافت کیے ہیں، جو الگ سے شائع ہو چکے ہیں۔

(۶) فتاویٰ ارشادیہ: اس کے مؤلف ارشاد حسین رام پوری (۱۸۳۱–۱۸۹۳ئ) ہیں۔ یہ مجموعہ دو جلدوں، تین سو چوبیس (۳۲۴) صفحات اور دو سو تینتیس (۲۳۳) فتاویٰ پر مشتمل ہے۔ الیکٹرک پریس (آگرہ) سے ۱۹۲۸ء میں پہلی مرتبہ طبع ہوا۔

(۷) فتاویٰ محبوبیہ: اس کے مؤلف احمد حسین خان امروہوی ہیں۔ یہ مجموعہ ایک جلد اور تین سو ساٹھ (۳۶۰) صفحات پر مشتمل ہے۔ ۱۸۹۸ء میں مطبع فخر نظام (حیدرآباد دکن) سے طبع ہوا۔

(۸) فتاویٰ قادریہ: یہ مجموعہ ایک جلد، ایک سو ستر (۱۷۰) صفحات اور علمائے لدھیانہ (بالخصوص مولانا عبدالقادر لدھیانوی) کے پچھتر (۷۵) متفرق فتاویٰ پر مشتمل ہے، جو ۱۸۸۴ء سے ۱۸۹۱ء کے دوران جاری کیے گئے۔ پہلی مرتبہ ۱۹۰۱ء میں مطبع قیصر (لدھیانہ) سے طبع ہوا۔ اس مجموعے کی خاص بات یہ ہے کہ اس میں مرزا غلام احمد قادیانی کے خلاف کفر کا پہلا تفصیلی فتویٰ موجود ہے۔

(۹) فتاویٰ عثمانی: اس کے مؤلف مظہر الحق انصاری ہیں۔ یہ مجموعہ ایک جلد اور سات سو پچاس (۷۵۰) صفحات پر مشتمل ہے۔ ۱۹۲۲ء میں پہلی مرتبہ حیدرآباد دکن سے طبع ہوا۔

(۱۰) فتاویٰ عثمانی: اس کے مؤلف سید منور الدین ہیں۔ یہ مجموعہ پانچ جلدوں، ایک ہزار چھیاسی (۱۰۸۶) صفحات اور آٹھ سو تین (۸۰۳) فتاویٰ پر مشتمل ہے۔ گاندھی گارڈن (کراچی) سے ۱۹۴۹ء میں پہلی مرتبہ میں طبع ہوا۔

اس دور کے تمام فتاویٰ کا جائزہ پیش نظر نہیں، کیوں کہ یہ بڑی تفصیل کا متقاضی ہے۔ تاہم ان کے علاوہ بھی بے شمار کتب فتاویٰ مطبوعہ وغیر مطبوعہ موجود ہیں، جن کی تعداد سیکڑوں میں ہے۔ ۳۴؎ یہ تمام فتاویٰ دراصل انیسویں اور بیسویں صدی کی علمی وفکری تحریکات، فسادات، مسلم معاشرت، سائنسی اور صنعتی انقلابات اور انگریزی ثقافت کے اثرات کا بہترین مطالعہ ہیں۔ ان فتاویٰ میں برصغیر کے مناظرانہ ادب کا جائزہ بھی لیا جاسکتا ہے۔ اس دور کے مجموعہ ہائے فتاویٰ کے بارے میں درج ذیل باتیں کہی جاسکتی ہیں:

۱— قرآن وحدیث سے کم اور فقہی کتب کے ثانوی مآخذ سے زیادہ استفادہ کیا جاتا ہے۔

۲— عبارت بلاترجمہ دی جاتی ہے جو مستفتی کے لیے قطعی اجنبی اور غیر مانوس ہوتی ہے۔

۳— جدید مسائل کے حوالے سے عموماً لاعلمی کا ثبوت دیا جاتا ہے۔

۴— زبان اور اسلوب کے حوالے سے بھی قدیم فتاویٰ کی پیروی کی جاتی ہے۔

۵— اپنے خیالات کے مطابق فتویٰ دینے کے بجائے اپنے پیش روؤں کے فتاویٰ پر زیادہ بھروسہ کیا جاتا ہے۔

اجتماعی فتویٰ کے معاصر ادارے

عثمانی سلطنت کا زوال مغرب کے عسکری وسیاسی غلبے اور نوآبادیاتی دور کے آغاز کے ساتھ ہوا۔ اس دور میں برصغیر اور دیگر کئی ممالک نوآبادیاتی نظام کے زیر تسلط آئے۔ سامراجی طاقتوں نے ان ممالک میں اپنے ملک کے قوانین پبلک لا کے طور پر رائج کیے۔ تاہم شخصی اور عائلی زندگی میں مسلمان پرسنل لا کی پابندی کرتے رہے۔ اس طرح کم از کم عائلی زندگی کی حد تک ان کا تعلق اسلامی قانون سے قائم رہا۔ یہ کام اس دور کے اصحابِ افتاء نے انجام دیا۔ بیسویں صدی کے نصف آخر میں نوآبادیاتی نظام کا خاتمہ ہوا اور مسلم ممالک کو آزادی حاصل ہوئی تو انھوں نے اس بات کی ضرورت محسوس کی کہ قرآن وسنت کی روشنی میں اپنے ملکی قوانین کا جائزہ لیں۔ اس حوالے سے درج ذیل ادارے وجود میں آئے:

(۱) اسلامی نظریاتی کونسل (پاکستان)

(۲) ادارہ تحقیقات اسلامی (پاکستان)

(۳) ہیئۃ کبار العلماء (سعودی عرب)
(۴) المجمع الفقہ الاسلامی (سعودی عرب)
(۵) اسلامک فقہ اکیڈمی (ہندوستان)
(۶) ادارہ مباحث فقہیہ (ہندوستان)
(۷) امارتِ شرعیہ پھلواری شریف (ہندوستان)
(۸) مجمع البحوث الاسلامیۃ (مصر)
(۹) مجمع الفقہ الاسلامی (جنوبی امریکہ)

ان کے علاوہ بھی کئی ادارے کام کررہے ہیں اور جدید مسائل کے سلسلے میں ان کے اجتماعی فتاویٰ (یعنی قراردادیں) وقتاً فوقتاً شائع ہوتے رہتے ہیں۔ دینی مدارس بھی اپنے یہاں قائم دارالافتاء کے ذریعے لوگوں کی رہنمائی کررہے ہیں۔ ان کے فتاویٰ سماجی نظام میں کسی حد تک قابل قبول ہیں، مگر عملی طور پر عدالتی نظام میں ان کا بہت زیادہ کردار نہیں ہے۔ اس کے باوجود لوگ ان نجی فتاویٰ پر بہت اعتماد کرتے ہیں۔

حواشی ومراجع

۱۔ عبدالدائم جلالی، سید، لغات القرآن، ج ۵، ص ۳۸، دارالاشاعت کراچی، ۱۹۸۶ء
۱۔ شیخ حسین محمد ملاح، الفتویٰ نشاتہا وتطورہا، دارالفکر، دمشق، ج ۱، ص ۹۸ ۳
۲۔ ابن صلاح، ادب المفتی والمستفتی، میر محمد کتب خانہ کراچی، ص ۴۲
۳۔ سعید فائز الدخیل، موسوعۃ فقہ عائشۃ ام المومنین، دارالنفائس، بیروت، ۱۹۸۹ء
۴۔ محمود احمد غازی، ڈاکٹر، محاضرات فقہ، فصل ناشران وتاجران کتب لاہور، ص ۴۹۳
۵۔ تفصیل کے لیے ملاحظہ ہو: کحالہ، عمر رضا، اعلام النساء فی عالمی العرب والاسلام، موسسۃ الرسالۃ، بیروت
۶۔ وہبہ الزحیلی، الفقہ الاسلامی وادلتہ، دارالفکر، دمشق، ج ۱، ص ۴۹
۷۔ فواد عبدالباقی، المعجم المفہرس لالفاظ القرآن الکریم، قدیمی کتب خانہ کراچی، ص ۹۹۶
۸۔ ماہ نامہ معارف (اعظم گڑھ)، مارچ ۱۹۹۸ئ، ص ۸۶
۹۔ ملاحظہ ہو: سیوطی، جلال الدین، تاریخ الخلفاء (مترجم)، مدینہ پبلشنگ کمپنی، کراچی
۱۰۔ ملاحظہ ہو: اعلام الموقعین عن رب العالمین، عنوان 'فتاویٰ امام المتقین'

۱۱؎ یہ فتاویٰ ۱۹۰۷ء میں اردو ترجمہ کے ساتھ کتب خانہ اعزازیہ دیوبند نے شائع کیے۔
۱۲؎ الجوزیۃ، ابن قیم، اعلام الموقعین، مکتبہ نزار مصطفی الباز، مکہ مکرمہ، ج ۱، ص ۱۴
۱۳؎ العانی محمد شفیق، الفقہ الاسلامی، مطبعہ البیان العربی، ۱۹۶۵ئ، ص ۶
۱۴؎ امینی، محمد تقی، فقہ اسلامی کا تاریخی پس منظر، قدیمی کتب خانہ کراچی، ص ۴۳
۱۵؎ محمود احمد غازی، محاضرات فقہ، ص ۲۲۳
۱۶؎ الخضری، محمد، تاریخ التشریع الاسلامی، قاہرہ ۱۹۶۵ئ، ص ۳۲
۱۷؎ حوالہ سابق، ص ۱۳۳
۱۸؎ صبحی محمصانی، اسلامی فلسفۂ قانون کی جدید تشکیل، چراغ راہ (اسلامی قانون نمبر ۱۹۸۵ئ)، ج ۲، ص ۳۸
۱۹؎ معارف (اعظم گڑھ)، دسمبر ۱۹۹۵ئ، ص ۱۳ ۴
۲۰؎ حوالہ سابق
۲۱؎ معارف (اعظم گڑھ)، فروری ۱۹۹۸ء ص ۹۰
۲۲؎ محمود احمد غازی، محاضرات فقہ، ص ۵۲۱
۲۳؎ حوالہ سابق
۲۴؎ حوالہ سابق، ص ۵۳۰
۲۵؎ شبلی نعمانی، امام اعظم، ص ۱۶۹، لاہور، س۔ن
۲۶؎ سید نوشہ علی، مسلمانان ہندو پاکستان کی تاریخ تعلیم، کراچی ۱۹۶۲ئ، ص ۱۷۴
۲۷؎ معارف (اعظم گڑھ)، فروری ۱۹۹۸ء ص ۹۴
۲۸؎ حوالہ سابق، ص ۹۵
۲۹؎ رضوی، محمد شہاب الدین، مولانا نقی علی خان بریلوی، لاہور، ۱۹۹۶ئ، ص ۲۹
۳۰؎ محمد مسعود احمد، فتاویٰ مسعودی، کراچی، ۱۹۸۷ئ، ص ۴۲
۳۱؎ فاروقی، اقبال احمد، دارالعلوم انجمن نعمانیہ لاہور کا تعارف، لاہور، ۱۹۹۰ئ، ص ۱۱
۳۲؎ محمد طیب، دارالعلوم دیوبند: دارالعلوم دیوبند کی صد سالہ زندگی، دیوبند، ۱۹۶۵ئ، ص ۳۰
۳۳؎ http://www.darululoom-deoband.com
۳۴؎ ان فتاویٰ پر ڈاکٹر حافظ غلام یوسف نے 'فکر ونظر' (جلد: ۹ ۳، شمارہ: ۴۔ جلد: ۴۰ شمارہ ۱) اور ڈاکٹر محمد ہمایوں عباس شمس نے 'فکر ونظر' (جلد: ۴۴، شمارہ ۱) میں انتہائی جامع اور مفصل مضامین لکھے ہیں، جن میں ان کا تحقیقی جائزہ لیا گیا ہے۔ اس کے علاوہ مجیب احمد کی کتاب 'جنوبی ایشیا کے اردو مجموعہ ہائے فتاویٰ' (مطبوعہ نیشنل بک فاؤنڈیشن) بھی قابل مطالعہ ہے۔

مولانا ابوالکلام آزادؒ اور نظمِ قرآن

——————— محترمہ نشا حلیم

مختصر حالاتِ زندگی

مولانا ابوالکلام آزاد ذی الحجہ ۱۳۰۵ھ/ستمبر ۱۸۸۸ء میں پیدا ہوئے۔ان کا آبائی وطن دہلی، مادری وطن مدینہ منورہ اور مولد مکہ مکرمہ ہے۔ ان کا تاریخی نام فیروز بخت ہے۔ا؎ ان کی ابتدائی زندگی مکہ میں ہی گزری۔ شیخ عبداللہ نامی بزرگ کے ہاتھوں ۱۸۹۲ء میں ان کی رسم بسم اللہ کی تقریب ہوئی۔ اس وقت ان کی عمر پانچ سال تھی۔ختم قرآن کے بعد انھوں نے حرم کے سب سے بڑے شیخ حسن کے پاس قراءت سیکھنے کے لیے جانا ہی شروع کیا تھا کہ ان کے والد مولانا خیرالدین (مع اہل واعیال) ہندوستان کے شہر کلکتہ منتقل ہو گئے۔وہ یہاں اپنے علاج کے سلسلے میں آئے تھے۔جب صحت یاب ہو کر مکہ جانے لگے تو ان کی اہلیہ (مولانا آزاد کی والدہ) کا انتقال ہو گیا جس کی وجہ سے انھیں اپنا سفر ملتوی کرنا پڑا، لہٰذا یہاں رک گئے۔کلکتہ میں مولانا خیرالدین اپنے بچوں کی تعلیم کے لیے فکرمند تھے،لیکن وہ کسی سبب سے عام مدارس میں ان کی تعلیم پسند نہیں کرتے تھے۔اس لیے انھوں نے تعلیم کا انتظام گھر پر ہی کیا۔ پہلے خود پڑھاتے رہے، پھر مولوی محمد یعقوب، مولوی نذیرالحسن امیٹھوی، مولوی محمد ابراہیم، مولوی محمد عمر اور شمس العلماء مولوی سعادت حسین سے بھی تعلیم دلائی۔۱۹۰۳ تک مولانا آزاد نے درس نظامی سے فراغت پالی تھی۔۲؎ اسی زمانے میں ان کی نثر نگاری کا آغاز ہوا۔ابتدائی مضامین احسن الاخبار، مخزن، تحفۂ احمدیہ لاہور وغیرہ میں شائع ہوتے رہے۔ ۲۰/نومبر

۱۹۰۳ء کو کلکتہ سے ماہ نامہ 'لسان الصدق' نکالا، جو ایک برس جاری رہا۔ اس کے اہم مقاصد سوشل ریفارم، ترقی اردو، علمی مذاق کی اشاعت اور تنقید تھے۔ اس ماہ نامہ کی وجہ سے مولانا آزاد کی شہرت اور مقبولیت میں اضافہ ہوا۔ اس میں شائع ہونے والی ان کی تحریروں سے متاثر ہو کر انجمن حمایتِ اسلام نے انھیں لاہور آنے کی دعوت دی۔ علامہ شبلی ان کی صلاحیتوں سے اس درجہ متاثر ہوئے کہ رسالہ الندوہ کی ادارت ان کے سپرد کردی۔ ۳؎ اکتوبر ۱۹۰۵ء سے مارچ ۱۹۰۶ء تک تقریباً چھ ماہ انھوں نے اس کی ادارت کی، اس کے بعد دیگر مصروفیات کی بنا پر اس کام کو چھوڑ دیا۔ بعد ازاں کچھ مدت اخبار وکیل امرتسر کے ایڈیٹر رہے۔ والد کی وفات کے بعد کم وبیش دو سال ایران وعراق کی سیاحت میں گزارے۔ ۴؎

مولانا آزاد نے ۱۳؍جولائی ۱۹۱۲ء سے کلکتے سے ہفت روزہ الہلال نکالا، جو ۱۶؍نومبر ۱۹۱۴ء کو بند ہو گیا۔ اس کے بعد وہ ایک طرف تفسیر ترجمان القرآن کے کام میں مصروف ہو گئے اور دوسری طرف انھوں نے ۱۳؍نومبر ۱۹۱۵ء سے البلاغ جاری کیا، جو نام کے سوا سراپا الہلال تھا۔ اس کے ساتھ 'دارالارشاد' قائم ہوا، جس میں ان نوجوانوں کو قرآن حکیم کا درس دیا جاتا تھا جو اپنی زندگیاں خدمتِ اسلام کے لیے وقف کر دینے پر آمادہ تھے۔ ترک انگریزوں کے خلاف شریکِ جنگ ہو چکے تھے۔ حکومتِ ہند نمایاں مسلمان لیڈروں سے بہت بدظن تھی، اس لیے ۱۸؍مارچ ۱۹۱۶ء کو حکومتِ بنگال نے ڈیفینس ایکٹ دفعہ ۳ کے تحت حکم دے دیا کہ مولانا آزاد چار دن کے اندر حدودِ بنگال سے نکل جائیں، چنانچہ البلاغ اور دارالارشاد دونوں بند ہو گئے۔ مولانا رانچی (بہار) چلے گئے، جہاں پانچ ماہ بعد نظر بند کر دیے گئے۔ اس زمانہ میں انہوں نے حکومت سے کوئی وظیفہ قبول نہیں کیا۔ قیام رانچی کے زمانے میں ان کی رہائش گاہ کی دوبار تلاشی لی گئی، جس میں ترجمان القرآن اور دوسرے کاغذات ضبط کر لیے گئے اور پھر واپس نہیں کیے گئے۔ ۵؎

مولانا آزاد دو مرتبہ کانگریس کے صدر بنے۔ ۱۹۲۱ء کے بعد انھوں نے کئی مرتبہ قید و بند کی صعوبتیں جھیلیں۔ رانچی کی نظر بندی سے جون ۱۹۴۵ء تک اسیری کی

کل مدّت دس سال سات مہینے بنتی ہے۔ ملک کی آزادی کے بعد حکومت ہند کے وزیر تعلیم بنے اور آخر تک اس عہدے پر فائز رہے۔ مختلف سیاسی، علمی اور مذہبی خدمات انجام دینے کے بعد بالآخر ۱۹ر فروری ۱۹۵۸ء کو صبح کے وقت ان پر فالج کا حملہ ہوا۔ مسلسل تین دن تک بے ہوش رہنے کے بعد ۲۲ر فروری ۱۹۵۸ء کو سوا دو بجے اپنے مالک حقیقی سے جا ملے اور انہیں جامع مسجد دہلی کے سامنے میدان میں دفن کیا گیا۔۶؎

تفسیر ترجمان القرن

مولانا آزاد کی تفسیر ترجمان القرآن پہلی دفعہ دو جلدوں میں شائع ہوئی۔ پہلی جلد (سورۂ فاتحہ تا سورۂ انعام) کا پہلا ایڈیشن ۱۳۵۰ھ/۱۹۳۱ء میں دہلی کے جید برقی پریس سے شائع ہوا۔ دوسری جلد (سورۂ اعراف تا آخر سورۂ مومنون) مدینہ برقی پریس بجنور سے ۱۳۵۵ھ/۱۹۳۶ء میں شائع کی گئی۔ قرآن کی یہ تفسیر صرف اٹھارہ پاروں تک پہنچ کر نامکمل رہ گئی۔ اس کے علاوہ مولانا آزاد نے اپنی مختلف تصانیف، مضامین، اور مقالات میں قرآن کی جن آیات اور ان کے ترجموں کا بہ کثرت استعمال کیا تھا، مولانا غلام رسول مہر نے ان کو جمع کر کے 'باقیات ترجمان القرآن' کے نام سے تیسری جلد میں جمع کر دیا ہے۔ اسے شیخ غلام علی اینڈ سنسز نے لاہور سے شائع کیا ہے۔ ترجمان القرآن کی دونوں جلدیں مولانا آزاد نے اپنی زندگی میں بڑے اہتمام سے شائع کی تھیں۔ ان کے انتقال کے بعد اس تفسیر کو ساہتیہ اکادیمی، نئی دہلی نے چار جلدوں میں طبع کیا ہے۔ ۷؎

نظم قرآن مولانا آزاد کی نظر میں

نظم قرآن تفسیر کا ایک مہتم بالشان موضوع ہے۔ مفسرین نے بالعموم قرآن کے کلّی نظم کو واضح کیا ہے۔ کچھ اہل علم نے پوری سورت کو ایک وحدت تصور کر کے اس کا عمود متعین کرنے کی سعی کی ہے۔ قرآن کے چند خادموں نے آیات کے باہمی رابطے کو متعین کرنے کی سعی کی ہے۔ ترجمان القرآن میں ان سب کی جھلک نظر آتی ہے۔ اگر غور کیا جائے تو مولانا

آزاد کے یہاں بھی قرآن مجید میں تین قسم کے نظم کا احساس ہوتا ہے:

۱– قرآن مجید کا کلی نظم: یہ نظم پورے قرآن، از اول تا آخر (سورہ الفاتحہ سے سورہ الناس تک) کے نظم کا نام ہے۔

۲– سورتوں کا اندورنی نظم: ہر سورہ کا کوئی نہ کوئی مرکزی مقصد ہوتا ہے، جس کے گرد اس سورہ کے تمام مضامین ومطالب گردش کرتے ہیں۔ اسی سے سورہ کا اندورنی نظم قائم ہوتا ہے، یہاں تک کہ اوائل سور اور خواتم سور میں بھی نظم وربط ہوتا ہے۔

۳– آیات کا باہمی نظم: تمام آیات باہم دگر متصل اور مربوط ہیں۔

آئندہ مثالوں کے ذریعہ وضاحت کی جائے گی کہ مولانا آزادؒ نے اپنی تفسیر میں ان کو کس طرح بیان فرمایا ہے۔

قرآن مجید کا کلّی نظم

قرآن مجید میں از اول تا آخر نظم پایا جاتا ہے۔ اس کا ذکر کرتے ہوئے مولانا ابوالکلام آزادؒ سورۂ فاتحہ کے شروع میں فرماتے ہیں:

> ''پورا قرآن سورۂ فاتحہ کے اجمال کی تفصیل ہے۔ اس سورہ کو قرآن مجید کی ترتیب میں سب سے پہلے جگہ دی گئی ہے، اس لیے اسے فاتحۃ الکتاب کہا جاتا ہے، جس کے صاف معنی دیباچۂ قرآن کے ہیں۔۔۔۔۔۔ حدیثوں میں اس کے دوسرے نام بھی آئے ہیں، جن سے اس کی خصوصیات کا پتہ چلتا ہے، مثلاً ام القرآن الکافیۃ، الکنز، اساس القرآن ۔۔۔۔۔۔۔۔ اس سورت کو ام القرآن کہنے کا مطلب یہ ہے کہ یہ ایک ایسی سورت ہے جس میں مطالبِ قرآنی کی جامعیت اور مرکزیت ہے ۔۔۔۔۔۔۔۔ اساس القرآن کے معنیٰ ہیں قرآن کی بنیاد۔ الکافیۃ کے معنی ہیں ایسی چیز جو کفایت کرنے والی ہو۔ الکنز خزانہ کو کہتے ہیں، چنانچہ اس سورہ کے مطالب پر نظر ڈالتے ہی یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ اس میں اور قرآن

کے بقیہ حصے میں اجمال اور تفصیل کا تعلق پیدا ہو گیا ہے۔ یعنی قرآن کی تمام سورتوں میں دین حق کے جو مقاصد تفصیل سے بیان کیے گئے ہیں، سورۂ فاتحہ میں انہی کا بہ شکل اجمال بیان موجود ہے۔ اس لحاظ سے سورۂ فاتحہ قرآن کا قلب ہے۔''۸؎

اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ دین حق کا ماحصل کیا ہے؟ اس کو مولانا نے چار باتوں پر مشتمل قرار دیا ہے: ''اول: خدا کی صفات کا ٹھیک ٹھیک تصور، دوم: قانون مجازات کا اعتقاد، یعنی نیک عمل کا نتیجہ اچھائی ہے اور برے کا برائی۔ سوم: معاد کا یقین، یعنی انسان کی زندگی اسی دنیا میں ختم نہیں ہو جاتی، اس کے بعد بھی زندگی ہے اور جزا کا معاملہ پیش آنے والا ہے۔ چہارم: فلاح وسعادت کی راہ کیا ہے؟ اور اس کی پہچان کیا ہے؟ یہ چاروں چیزیں سورۂ فاتحہ میں مجملاً موجود ہیں''۹؎

آگے کہتے ہیں:

''اب غور کرو، ان باتوں کا خلاصہ اس سورت میں کس خوبی کے ساتھ جمع کر دیا گیا ہے! ایک طرف زیادہ سے زیادہ مختصر، حتی کہ گنے ہوئے الفاظ ہیں، دوسری طرف ایسے سجے تلے الفاظ کہ ان کے معانی سے پوری وضاحت اور دل نشینی پیدا ہو گئی ہے۔ ساتھ ہی نہایت سیدھا سادا بیان ہے، کسی طرح کا پیچ وخم نہیں، کسی طرح کا الجھاؤ نہیں''۱۰؎

سورۂ فاتحہ کی ابتدا حمد کے اعتراف سے ہوتی ہے۔ اللہ کے تصور کے بارے انسان کی ایک بڑی غلطی یہ رہی ہے کہ اس تصور کو وہ محبت کی جگہ خوف و دہشت کی چیز بنالیتا تھا۔ سورۂ فاتحہ کے سب سے پہلے لفظ نے اسی گم راہی کا ازالہ کر دیا۔ مولانا فرماتے ہیں:

''حمد ثناء جمیل کو کہتے ہیں، یعنی اچھی صفتوں کی تعریف کرنے کو۔ ثناء جمیل اس کی کی جاسکتی ہے جس میں خوبی و جمال ہو۔ پس 'حمد' کے ساتھ خوف و دہشت کا تصور جمع نہیں ہوسکتا۔ جو ذات محمود ہوگی وہ خوف ناک نہیں ہوسکتی''۱۱؎

حمد کے بعد اللہ کی جن صفات کو نمایاں کیا گیا ہے وہ ربوبیت، رحمت اور عدالت ہیں۔ صفاتِ باری کے ذیل میں مولانا نے کتنی اہم بات کہی ہے کہ ''انسان کو خدا پرستی کی راہ میں جس قدر ٹھوکریں لگی ہیں، صفات ہی کے تصور میں لگی ہیں۔''۱۲؎

رب العالمین میں اللہ تعالیٰ کی عالم گیر ربوبیت کا اعتراف ہے، جو ظاہر و باطن دونوں پر حاوی ہے۔ اس کی رحمت کاملہ ہے، جو سارے عالم کا احاطہ کرتی ہے۔ وہ رحمٰن بھی ہے اور رحیم بھی، یعنی رحمت کی صفت اس میں محض عارضی نہیں، دائمی ہے۔ مالک یوم الدین میں جزا وسزا کا تصور پنہاں ہے' جس سے ذہن اللہ تعالیٰ کی قہاری وجباری کی طرف مبذول ہوتا ہے۔ مولانا نے اس کی توضیح وتشریح اتنے خوب صورت انداز میں کی ہے کہ قہر وجلال کا رشتہ عدل وانصاف سے جڑ جاتا ہے۔ فرماتے ہیں:

> ''جزا وسزا کو 'دین' کے لفظ سے تعبیر کر کے یہ حقیقت واضح کر دی کہ جزا وسزا انسانی اعمال کے قدرتی نتائج وخواص ہیں۔ یہ بات نہیں کہ خدا کا غضب وانتقام بندوں کو عذاب دینا چاہتا ہو۔''

اس ضمن میں مزید کہتے ہیں:

> ''اگر کائناتِ ہستی میں صفاتِ رحمت وجمال کے ساتھ قہر وجلال بھی اپنی نمود رکھتی ہیں تو یہ اس لیے نہیں ہے کہ پروردگار عالم میں غضب وانتقام ہے، بلکہ اس لیے ہے کہ وہ عادل ہے اور اس کی حکمت نے ہر چیز کے لیے ایک خاصہ اور نتیجہ مقرر کر دیا ہے۔ عدل منافیٔ رحمت نہیں ہے، بلکہ عین رحمت ہے''۱۳؎

سورۂ فاتحہ میں آگے 'نَعْبُدُکَ' (ہم تیری عبادت کرتے ہیں) نہیں کہا گیا، بلکہ حصر کے ساتھ 'إِيَّاكَ نَعْبُدُ وَإِيَّاكَ نَسْتَعِينُ' (ہم تیری ہی عبادت کرتے ہیں اور تجھ سے ہی مدد چاہتے ہیں)۔ اس سے متعلق مولانا آزاد کہتے ہیں:

> ''اس اسلوب بیان نے توحید کے تمام مقاصد پورے کر دیے اور شرک کی ساری راہیں بند ہو گئیں''۱۴؎

آخر میں مولانا نے فلاح وسعادت کی راہ کو 'الصِرَاطَ المُستَقِیم' سے تعبیر کیا، جس سے زیادہ بہتر اور قدرتی تعبیر نہیں ہوسکتی: ''دنیا کے تمام نبی، تمام صدیق، تمام شہدائے حق، تمام صالح انسان، خواہ کسی ملک وقوم میں ہوئے ہوں، قرآن کے نزدیک 'انعام یافتہ' انسان ہیں اور انہی کی راہ 'الصِرَاطَ المُستَقِیم' ہے''۔۱۵؎

اس تفصیل سے واضح ہوجاتا ہے کہ سورہ فاتحہ کا تعلق پورے قرآن سے ہے۔ قرآن کی تمام سورتوں میں دین حق کے جو مقاصد تفصیل سے بیان کیے گئے ہیں ان کا خلاصہ اس سورت میں نہایت خوبی کے ساتھ جمع کردیا گیا ہے۔

قرآن کے کلّی نظم کی وضاحت مولانا آزاد کی اس تحریر سے بھی ہوتی ہے۔ لکھتے ہیں:

> ''ہر کتاب اور تعلیم کے کچھ مرکزی مقاصد ہوتے ہیں اور اس کی تمام تفصیلات انہی کے گرد گردش کرتی ہیں۔ جب تک یہ مراکز سمجھ میں نہ آئیں، دائرہ کی کوئی بات سمجھ میں نہیں آسکتی۔ قرآن کا بھی یہی حال ہے۔ اس کے بھی چند مرکزی مقاصد ومہمات ہیں۔ جب تک وہ صحیح طور پر نہ سمجھ لیے جائیں، اس کی کوئی بات صحیح طور پر نہیں سمجھی جاسکتی''۱۶؎

سورتوں کا اندورنی نظم

جس طرح سورۂ فاتحہ پورے قرآن کے مضامین کے خلاصے پر مشتمل ہے اسی طرح ہر سورہ کا ایک مرکزی مقصد ہوتا ہے، جس کے گرد سورہ کے تمام مضامین ومطالب گردش کرتے رہتے ہیں۔ اسی سے سورہ کی تمام آیتوں میں نظم وربط قائم ہوتا ہے۔

پہلی مثال

مثال کے طور پر مولانا نے سورہ مائدہ کے نظم سے متعلق لکھا ہے:

(سورہ المائدہ کا مرکزی مقصد) 'عہد وپیمان' ہے۔ اس سورہ میں اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کو ان کا عہدِ ایمان یاد دلایا ہے کہ اے ایمان والو! اپنے اس عہد کو پورا کرو جو تم مضبوطی کے ساتھ خدا سے ٹھہرا چکے ہو۔ یاد کرو،

جب تم نے دعوتِ ایمان قبول کرتے ہوئے کہا تھا (خدایا) **سمعنا و اطعنا** (المائدۃ: ۷) (ہم نے تیرا فرمان سنا اور ہم نے اسے قبول کیا)۔ خدا سے اس وقت تم نے اطاعت حق کا عہد و پیمان لیا تھا۔ اس لیے اللہ تعالیٰ اس سورہ کی پہلی ہی آیت میں فرماتا ہے: "**یَآ اَیُّهَا الَّذِیْنَ آمَنُوْٓا اَوْفُوْا بِالْعُقُوْدِ**" مسلمانو! اپنے معاہدے کو پورا کرو، یعنی احکامِ الٰہی کی اطاعت کا جو عہد کر چکے ہو اسے سچائی کے ساتھ پورا کرو۔ سچائی کے ساتھ پورا کرنا یہ ہے کہ جن باتوں کے کرنے کا حکم دیا جائے، کرو، جن سے روک دیا جائے، رک جاؤ۔" ۱۷؎

اس مرکزی مضمون سے سورہ کی تمام آیات کا ربط جوڑتے ہوئے مولانا آزاد لکھتے ہیں:

"اس کے بعد اوامر و نواہی کا بیان شروع ہو جاتا ہے اور پوری سورہ میں جستہ جستہ حسب ضرورت و مناسبت جاری رہتا ہے" ۱۸؎

امت مسلمہ سے پہلے یہ عہد و پیمان اہلِ کتاب سے بھی لیا گیا تھا، لیکن وہ اس کے اہل ثابت نہ ہوئے، اس وجہ سے معزول کر دیے گئے اور ان کی جگہ اللہ تعالیٰ نے اس امت کو دی اور اس کو اپنی کامل شریعت کا حامل اور امین بنایا۔ اس لیے مسلمانوں سے کہا جارہا ہے کہ تم پچھلی امتوں کی طرح خدا کی شریعت کے معاملے میں خائن اور غدار نہ بن جانا، بلکہ پوری وفاداری اور کامل استواری کے ساتھ اس عہد کو نبھانا، کیونکہ:

"دین اسلام کامل ظہور میں آ گیا، نعمت الٰہی پوری کر دی گئی، اب تمہارا فرض ہے کہ تذکیر نعمت سے غافل نہ ہو اور اطاعتِ حق میں اخلاص و استقامت کے ساتھ کوشاں رہو" ۱۹؎

اس طرح سورۂ مائدہ کی تمام آیتوں میں شروع سے آخر تک ایک منطقی ربط صاف محسوس ہوتا ہے اور اس کا اندرونی نظام اس کے مرکزی مقصد سے پوری طرح وابستہ نظر آتا ہے۔

دوسری مثال

سورتوں کے اندرونی نظم کی ایک شکل یہ بھی ہوتی ہے کہ سورہ کے شروع میں جو مضمون بیان ہوا ہے وہی آخر میں بھی مذکور ہوتا ہے۔اس طرح پوری سورہ از اول تا آخر مربوط ہو جاتی ہے۔مثال کے طور سورۂ آل عمران کی ابتداء میں الکتاب (قرآن) کا ذکر ہے۔مولانا آزاد لکھتے ہیں:

> ''خدا انسان کی روحانی سعادت کے لیے اپنا کلام نازل کرتا ہے۔اس کا قانون یہ ہے کہ جو لوگ اسے قبول کرتے ہیں، سعادت و کامرانی پاتے ہیں۔ جو شرارت و سرکشی سے مقابلہ کرتے ہیں، نامراد رہتے ہیں۔ اسی سلسلۂ ہدایت کے ماتحت 'الکتاب' یعنی قرآن نازل ہوا ہے'' ۲۰؎
>
> اور سورہ کے آخر میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:
>
> ''یَاَیُّھَا الَّذِیْنَ آمَنُوا اصْبِرُوا وَصَابِرُوا وَرَابِطُوا وَاتَّقُوا اللّٰہَ لَعَلَّکُمْ تُفْلِحُون''(آل عمران:۲۰۰)
>
> (مسلمانو! اگر کامیابی حاصل کرنا چاہتے ہو تو ساری باتوں کا ماحصل یہ ہے کہ صبر کرو، ایک دوسرے کو صبر کی ترغیب دو، ایک دوسرے کے ساتھ بندھ جاؤ اور (ہر حال میں) خدا سے ڈرتے رہو تا کہ (اپنے مقصد میں) کامیاب ہو)

مولانا آزاد لکھتے ہیں کہ سورت کی ابتداء جس بیان سے ہوئی تھی، اس کا اختتام بھی اسی بیان پر ہوا ہے۔گویا سورت کے تمام بیانات کا ماحصل یہ ہے:

الف۔ ''دعوتِ قرآن کے مخالف کتنی ہی سعی و تدبیر کریں اور بہ ظاہر عارضی طور پر کتنے ہی خوش حال نظر آئیں، لیکن بالآخر ہونا یہی ہے کہ دعوتِ قرآن کام یاب ہو۔

ب۔ اہل کتاب کی جو جماعتیں عرب میں دعوتِ حق کا مقابلہ کر رہی ہیں، ان سب

کے لیے بالآخر نامرادی ہی ہے۔ البتہ جو لوگ سچائی کی راہ اختیار کریں گے تو ان کے لیے کوئی کھٹکا نہیں۔ وہ اپنی راست بازی و نیک عملی کا اجر ضرور پائیں گے اور خدا کا قانون محاسبۂ اعمال میں سست رفتار نہیں۔

ج۔ پیروانِ دعوتِ قرآن کے لیے دستور العمل یہ ہے کہ صبر کریں۔ راہ عمل میں ایک دوسرے کے ساتھ بندھ جائیں اور ہر حال میں اللہ سے ڈرتے رہیں۔ اگر انھوں نے ایسا کیا تو کام یابی انہی کے لیے ہے۔'' ۲۱؎

آیات کا باہمی نظم

جہاں تک آیات کے باہمی نظم کا سوال ہے تو مولانا آزاد نے اپنی تفسیر میں آیات کی تاویل وتوجیہ کرتے ہوئے نظم کلام کو خاص طور پر پیش نظر رکھا ہے۔ آیات کے باہمی نظم کی ایک مثال ملاحظہ ہو:

سورۂ بقرہ میں انفاق کا تفصیلی تذکرہ موجود ہے، جس کا سلسلہ آیت ۲۵۴ سے آیت ۲۷۳ تک پھیلا ہے اور اس میں مسلمانوں کو مختلف حیثیتوں سے انفاق کی تاکید کی گئی ہے۔ اس کے بعد آیت ۲۷۴ سے سود کا بیان شروع ہوا ہے، جس کا سلسلہ آیت ۲۸۱ تک چلا گیا ہے۔ ان آیات کے درمیان ربط واضح کرتے ہوئے مولانا ابوالکلام آزاد لکھتے ہیں:

> ''نیکی کی راہ میں خرچ کرنے کی استعداد نشو ونما نہیں پا سکتی تھی اگر اس کا حکم دیتے ہوئے ان باتوں سے بھی روک نہ دیا جاتا جو ٹھیک اس کی ضد ہیں۔ پس انفاق فی سبیل اللہ کے حکم کے ساتھ ہی سود کی بھی ممانعت کر دی گئی، جو دنیا کی تمام قوموں کی طرح عرب میں بھی رائج تھا'' ۲۲؎

انفاق اور سود میں نسبت ضدین کی ہے۔ جب تک تصویر کے دونوں رخ سامنے نہیں ہوتے اس وقت تک بات بالکل کھل کر سامنے نہیں آتی۔ اس لیے قرآن کا یہ عام اسلوب ہے کہ وہ معاملات کے دونوں پہلوؤں کو سامنے رکھ کر اس کے متعلق گفتگو

کرتا ہے۔ اگر انفاق آدمی کے اندر کشادہ دلی، عالی ظرفی، بلند حوصلگی اور ابنائے جنس کے ساتھ ہم دردی ومحبت کا نیک جذبہ پیدا کرتا اور اسے پروان چڑھاتا ہے تو لازماً سود اس کی ضد کی حیثیت سے اس کے اندر تنگ دلی، پست ہمتی، مفاد پرستی، خودغرضی اور لوگوں کے ساتھ سنگ دلی وغیرہ جیسے برے جذبات پیدا کرے گا، جو اس کی ہلاکت کا موجب ہیں، اس لیے اللہ تعالیٰ نے انسان کو سودی کاروبار سے قطعاً منع کیا ہے۔

مولانا آزاد کی تفسیر کے مطالعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ انہوں نے آیات اور سورتوں کے ربط کو ملحوظ رکھتے ہوئے قرآن کا مفہوم سمجھنے اور سمجھانے کی کوشش کی ہے۔ اسی کے ساتھ انھوں نے اپنی تفسیر میں ان شکوک وشبہات کی بھی نشان دہی کی ہے جو ربط و نظم کو سمجھنے میں مانع ہیں۔ لکھتے ہیں:

> ''قرآن کے مختلف حصوں اور آیتوں کے مناسبات وروابط کے سارے الجھاؤ صرف اس لیے ہیں کہ فطرت سے بُعد ہوگیا اور وضعیت ہمارے اندر بسی ہوئی ہے۔ ہم چاہتے ہیں کہ قرآن کو بھی ایک ایسی مرتب کتاب کی شکل میں دیکھیں جیسی کتابیں ہم مرتب کرتے ہیں'' ۲۳؎

مولانا کی رائے ہے کہ قرآن مجید کو اس طرح سمجھنا چاہیے جس طرح اس کے اولین مخاطبین نے سمجھا تھا، نہ کہ اس طرح جس کا سانچہ، بہ قول ان کے، تمدن کے وضعی اور صناعی عوامل نے ڈھال دیا تھا۔ وہ فرماتے ہیں:

> '' قرآن حکیم اپنے وضع، اپنے اسلوب، اپنے انداز بیان، اپنے طریق خطاب، اپنے طریق استدلال، غرض کہ اپنی ہر بات میں دنیا کے وضعی اور صناعی طریقوں کا پابند نہیں ہے اور نہ اسے پابند ہونا چاہیے۔ وہ اپنی ہر بات میں اپنا بے مثل اور فطری طریقہ رکھتا ہے اور یہی وہ بنیادی امتیاز ہے جو انبیاء علیہم السلام کے طریق ہدایت کو علم وحکمت کے وضعی طریقوں سے ممتاز کر دیتا ہے۔ قرآن جب نازل ہوا تو اس کے مخاطبوں کا پہلا گروہ بھی ایسا ہی تھا۔ تمدّن کے وضعی اور صناعی سانچوں

میں ابھی اس کا دماغ نہیں ڈھلا تھا اور فطرت کی سیدھی سادی فکری حالت پر قانع تھا۔ نتیجہ یہ نکلا کہ قرآن اپنی شکل و معنی میں، جیسا کہ واقع ہوا تھا، ٹھیک ویسا ہی دلوں میں بس گیا اور انہیں قرآن کے فہم و معرفت میں کسی قسم کی دشواری نہیں ہوئی۔ صحابۂ کرام پہلی مرتبہ قرآن کی کوئی آیت یا سورت سنتے تھے اور سنتے ہی اس کی حقیقت پا لیتے تھے۔ لیکن صدر اول کا دور ابھی ختم نہیں ہوا تھا کہ روم و ایران کے تمدّن کی ہوائیں چلنے لگیں اور پھر یونانی علوم کے تراجم نے علوم و فنون وضعیہ کا دور شروع کر دیا۔ نتیجہ یہ نکلا کہ جوں جوں وضعیت کا ذوق بڑھتا گیا، قرآن کے فطری اسلوبوں سے طبیعتیں نا آشنا ہوتی گئیں۔ رفتہ رفتہ وہ وقت آ گیا کہ قرآن کی ہر بات وضعی اور صناعی طریقوں کے سانچوں میں ڈھالی جانے لگی۔ چوں کہ ان سانچوں میں وہ ڈھل نہیں سکتی تھی، اس لیے طرح طرح کے الجھاؤ پیدا ہونے لگے اور پھر جس قدر کوششیں سلجھانے کی کی گئیں، الجھاؤ اور زیادہ بڑھتے گئے۔ ۲۴؎

مذکورہ بالا اقتباس سے بہ خوبی واضح ہو جاتا ہے کہ مولانا آزادؒ قرآن مجید کی تعبیر و تشریح کو وضعیت و صناعیت سے پاک رکھ کر اس کو بنیادی فطرت کے مطابق سمجھنا اور سمجھانا چاہتے تھے۔ ان کا کہنا ہے کہ نظم و ترتیب اور مناسبت و موافقت کی یہ دقّت اہلِ عرب کو پیش نہ آئی، کیوں کہ تمدن کے وضعی اور صناعی سانچوں میں ان کا دماغ نہیں ڈھلا تھا، بلکہ فطرت کی سیدھی سادی فکری حالت پر قانع تھا۔ قرآن اپنی شکل و معنی میں جیسا واقع ہوا، ٹھیک ٹھیک ویسا ہی ان کے دلوں میں بس گیا اور انہیں قرآن کے فہم و معرفت میں کسی قسم کی دشواری نہیں ہوئی۔ لہٰذا ربط و نظم کی باریکیوں کو سمجھنے اور کلام کے منطقی تسلسل کے ادراک کی صلاحیت کو پیدا کرنے کا طریقہ یہی ہو سکتا ہے کہ قرونِ وسطیٰ کے فلسفیانہ اور منطقیانہ پردوں کو ہٹا کر قرآن کو اس کی اصلی فطرت میں واضح کیا جائے اور وضعیت کے استغراق نے منطق کا جو سانچہ ہمیں دیا ہے، اس سے ہٹ کر قرآن کو اپنے اصلی رنگ میں پیش کیا جائے۔

حواشی و مراجع

۱۔ خلیق انجم، مولانا ابوالکلام آزاد—شخصیت اور کارنامے، اردو اکادمی دہلی (طبع ہفتم) ۲۰۰۳، ص ۳۲؛ ابوالکلام آزاد، آزاد کی کہانی، خود ان کی زبانی، بہ روایت ملیح آبادی، حالی پبلشنگ ہاؤس نئی دہلی، ۱۹۵۸، ص ۱۸۶

۲۔ آزاد کی کہانی خود ان کی زبانی، ص ۱۸۷ ۔ ۱۸۸؛ ڈاکٹر صالحہ عبدالحکیم شرف الدین، قرآن حکیم کے اردو تراجم، بمبئی، ۱۹۸۴ء ص ۴۴۰

۳۔ عبدالقوی دسنوی، تلاش آزاد، مکتبہ جامعہ نئی دہلی، ۱۹۹۰، ص ۱۴—۱۵

۴۔ سید سلیمان ندوی، حیات شبلی، مطبع معارف دارالمصنفین اعظم گڑھ، ۱۹۴۳، ص ۴۴۳—۴۴۵

۵۔ ابوالکلام آزاد، انڈیا ونز فریڈم، (راوی: پروفیسر ہمایوں کبیر، مترجم: پروفیسر محمد مجیب، مقدمہ و حواشی: ڈاکٹر ابوسلمان شاہجہان پوری) مکی دارالکتب لاہور (اشاعت چہارم) ۲۰۰۳، ص ۱۰۸

۶۔ مولانا ابوالکلام آزاد—شخصیت اور کارنامے، ص ۱۴۳—۱۴۴

۷۔ سید شاہد علی، اردو تفاسیر بیسویں صدی میں، کاک پرنٹرس، نئی دہلی، ۲۰۰۱، ص ۱۴۰

۸۔ ابوالکلام آزاد، ترجمان القرآن، ساہتیہ اکادیمی، نئی دہلی، ۱۹۶۴، جلد اول (تفسیر سورۂ فاتحہ)، ص ۳—۵

۹۔ حوالہ سابق، ص ۵ تا ۷

۱۰۔ حوالہ سابق، ص ۷

۱۱۔ حوالہ سابق، ص ۱۰

۱۲۔ حوالہ سابق، ص ۷

۱۳۔ حوالہ سابق، ص ۱۱

۱۴؎ حوالہ سابق ،ص ۱۲

۱۵؎ حوالہ سابق ،ص ۱۲

۱۶؎ دیباچہ ترجمان القرآن، جلد اول، ص ۴۱

۱۷؎ ترجمان القرآن، جلد دوم، ص ۵۸۴

۱۸؎ حوالہ سابق ،ص ۵۸۴

۱۹؎ حوالہ سابق ،ص ۵۹۶

۲۰؎ حوالہ سابق ،ص ۴۲۰

۲۱؎ حوالہ سابق ،ص ۴۲۰

۲۲؎ حوالہ سابق ،ص ۲۵۷

۲۳؎ دیباچہ ترجمان القرآن جلد اول، ص ۳۵

۲۴؎ حوالہ سابق ،ص ۳۳—۳۴

غیر اسلامی ریاست اور مسلمان

مولانا سید جلال الدین عمری

اس وقت اسلام اور مسلمانوں کے سامنے ایک اہم سوال یہ ہے کہ کسی غیر اسلامی ریاست میں مسلم اقلیت کا صحیح موقف کیا ہے؟ اور اسلام نے اسے کیا ہدایات دی ہیں؟ مولانا عمری کی یہ کتاب قرآن وحدیث کی روشنی میں مستند اور موقر انداز میں اس سلسلے کی ایک رہ نما کتاب ہے اور اسلام اور مسلمانوں کے بارے میں بعض اعتراضات کا جواب بھی۔

صفحات: ۶۴ قیمت: ۲۵

حضرت عروہؒ بن زبیرؓ — اولین سیرت نگار

حافظ عبدالغفار

نام و نسب

حضرت عروہؒ کا نام و نسب یہ ہے:

عروۃ بن الزبیر بن العوّام بن اسد بن عبدالعزیٰ بن قصی بن کلاب القرشی الاسدی ہے۔[۱] علامہ ذہبیؒ (م ۷۴۸ھ) نے نسب میں کلاب کے بعد یہ اضافہ کیا ہے: ''بن مرّہ بن کعب بن لوی بن غالب''[۲]۔

پیدائش

حضرت عروہؒ مدینہ منورہ میں پیدا ہوئے۔ ان کے سنِ ولادت کے بارے میں محدثین اور مؤرخین کے درمیان اختلاف پایا جاتا ہے۔ ابن خلکانؒ (م ۶۸۱ھ) نے دو اقوال نقل کیے ہیں۔ ایک قول کے مطابق سن پیدائش ۲۲ھ جب کہ دوسرے کے مطابق ۲۹ھ ہے۔ حافظ ابن حجر عسقلانیؒ (م ۸۵۲ھ) کے نزدیک ۲۳ھ اور ابن العماد الحنبلیؒ (م ۱۰۸۹ھ) کے نزدیک ۲۹ھ ہے۔[۳]

ماضی قریب کے معروف محقق ڈاکٹر عبدالعزیز دوری نے اختلافی روایات کا موازنہ کرنے کے بعد ابن حجر عسقلانیؒ کی بیان کردہ روایت کو ترجیح دی ہے اور دلیل کے طور پر وہ روایت بھی نقل کی ہے جس کے مطابق جنگ جمل ۳۶ھ میں لڑی گئی، اس وقت عروہؒ کی عمر ۱۳ برس تھی۔ اس قول کی تصدیق ابن خیاط (م ۲۳۰) کی اس روایت سے بھی ہوتی ہے جس کے مطابق عروہؒ عہدِ فاروقی کے اواخر میں (۲۳ھ میں) پیدا ہوئے۔[۴]

خاندان

عروہؒ کے والد حضرت زبیرؓ بن عوام نبی کریم ﷺ کی سگی پھوپھی حضرت صفیہؓ بن عبدالمطلب کے بیٹے ہیں۔ حضرت زبیرؓ نے رسول اللہ ﷺ کی بعثت کے ابتدائی زمانے ہی میں اسلام قبول کرلیا تھا۔ ان کو یہ اعزاز بھی حاصل ہے کہ وہ ان دس (۱۰) خوش نصیب ہستیوں میں سے ایک ہیں جنہیں دنیا ہی میں جنت کی بشارت دے دی گئی۔ وہ اس کمیٹی میں بھی شامل تھے جو حضرت عمر فاروقؓ نے اپنے بعد مسئلہ خلافت حل کرنے کے لیے تشکیل دی تھی۔ حضرت عروہؒ کی والدہ حضرت اسماء بنت ابو بکر صدیقؓ ہیں جو ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہؓ کی بڑی بہن ہیں۔ انہیں ذات النطاقین بھی کہا جاتا ہے۔ ۵؎

حضرت زبیر بن عوامؓ ہر غزوہ میں حضور اکرم ﷺ کے ساتھ رہے۔ آپؐ نے ایک موقع پر ان کے بارے میں فرمایا: ''لکل نبی حواری وحواری الزبیر'' ۶؎ (ہر نبی کے قریبی ساتھی ہوتے ہیں اور میرے قریبی ساتھی زبیر ہیں)۔ غزوۂ خندق کے موقعہ پر رسول اللہ ﷺ نے ان کے متعلق فرمایا: ''فداک أبی و أمي'' (تم پر میرے ماں باپ قربان ہوں)۔ ۷؎

حضرت عروہؒ نے اپنے بڑے بھائی حضرت عبداللہ بن زبیرؓ کی شہادت (۷۵ھ) کے موقع پر حجاج بن یوسف ثقفی کے سامنے اپنے خاندانی شرف و افتخار کا تذکرہ ان الفاظ میں فرمایا تھا:

> ''تمہیں معلوم نہیں، میں جنت کی شہزادیوں کی اولاد ہوں۔ میری والدہ اسماء بنت ابوبکرؓ، میری دادی صفیہؓ بنت عبدالمطلب اور میری پھوپھی خدیجہؓ بنت خویلد ہیں۔ ۸؎

تحصیلِ علم

حضرت عروہؒ بن زبیرؓ کو علم دین کے حصول اور اس کی تبلیغ واشاعت کا بڑا شوق تھا۔

ایک مرتبہ حجر کے مقام پر عروہ بن زبیر، عبداللہ بن زبیر، مصعب بن زبیر اور عبداللہ بن عمر ایک ساتھ بیٹھے ہوئے تھے۔ ہر ایک نے اپنی اپنی شدید خواہش کا اظہار ان الفاظ میں کیا:

عبداللہ بن زبیرؓ: میں خلافت کا متمنی ہوں۔

حضرت مصعب بن زبیرؓ: میں تو عراقی خاتون سے شادی کا متمنی ہوں نیز چاہتا ہوں کہ عائشہ بنت طلحہ اور سکینہ بنت الحسین دونوں میرے نکاح میں آجائیں۔

حضرت عبداللہ بن عمرؓ: میری خواہش یہ ہے کہ میری مغفرت ہوجائے۔

حضرت عروہؒ بن زبیرؓ: میری خواہش ہے کہ لوگ مجھ سے علم حاصل کریں۔۹؎

حضرت عروہؒ اپنی اولاد کو بھی زیادہ سے زیادہ علم حاصل کرنے کی ترغیب و تلقین کرتے تھے۔ ان کے صاحب زادے ہشام کہتے ہیں کہ میرے والد کہتے تھے:

> ”تعلّموا العلم تسودوا به قومكم ويحتاجوا اليكم... لا تغشونی مع الناس لكن اذا خلوت فسلونی“۱۰؎
>
> ”علم حاصل کرو، تاکہ تمھیں اپنی قوم میں عزت ملے اور وہ علم کے حوالے سے تمہارے محتاج ہوں۔ مجھ سے بھیڑ میں سوال نہ کرو، بلکہ علیحدگی میں سوال کیا کرو۔“

اساتذہ

حضرت عروہؒ بن زبیرؓ نے جن عظیم شخصیات سے علم حاصل کیا ان میں ان کے والد گرامی حضرت زبیر بن العوامؓ، بھائی حضرت عبداللہ بن زبیرؓ، والدہ حضرت اسماء بنت ابی بکرؓ اور خالہ حضرت عائشہ صدیقہؓ کے علاوہ حضرت عبداللہ بن عباسؓ، حضرت عبداللہ بن عمرؓ، حضرت ابو ہریرہؓ، حضرت زید بن ثابتؓ، حضرت مغیرہ بن شعبہؓ، حضرت عمرو بن العاصؓ اور کئی دیگر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم بھی شامل ہیں۔ ۱۱؎

تلامذہ

حضرت عروہؒ سے علم حاصل کرنے والوں میں مشہور محدث امام مسلم بن شہاب

الزہریؒ، ابو الزنادؒ، سلمانؒ بن یسار، ابو الاسودؒ عمر بن عبدالرحمن، عطائیؒ بن ابی رباح، عبداللہؒ بن لہیعۃ، موسیٰؒ بن عقبہ، عمروؒ بن دینار، ہشامؒ بن عروہ، محمدؒ بن منکدر، یحییٰؒ بن ابن کثیر، عمرؒ بن عبدالعزیز اور کئی دیگر اصحاب شامل ہیں۔ حافظ یوسف مزیؒ (م ۷۴۲ھ) نے عروہؒ کے تلامذہ کی ایک فہرست نقل کی ہے جو پچاس سے زائد افراد پر مشتمل ہے۔ ۱۲؎

علمی مقام ومرتبہ

عروہؒ بن زبیرؓ جلیل القدر تابعی، محدث، فقیہ، مؤرخ اور اوّلین سیرت نگار ہیں۔ ان کے علمی مقام ومرتبہ کا تعین تین پہلوؤں سے کیا جا سکتا ہے:

(الف) حدیث وسنت میں

حضرت عروہؒ بہت بڑے محدث تھے۔ ابن ہشام نے اس تعلق سے لکھا ہے:

''عروۃ بن الزبیر الفقیہ المحدّث الّذی یروی الکثیر من الأخبار والأحادیث عن النبی وحیاتہ صدر الاسلام''۱۳؎

(عروہ بن زبیر فقیہ اور محدث تھے۔ انھوں نے نبی ﷺ کی ابتدائی زندگی کے بہت سے واقعات اور احادیث روایت کی ہیں۔)

ابن سعد نے عروہؒ کی علمی وسعت کے حوالے سے امام زہریؒ کا یہ قول نقل کیا ہے:

''کان عروۃ بحراً لاتکدّرہ الدّلاء وتیسّرت لہ سبل من العلم ۔۔۔عروۃ بحر لاینزف ۱۴؎

(عروہ ایسے سمندر تھے جس کا پانی کثرتِ استعمال سے گدلا نہیں ہوتا۔ انھیں تحصیلِ علم کے بہت سے مواقع حاصل تھے۔ وہ ایسا سمندر تھے جو کبھی خشک نہیں ہوتا۔)

قبیصہ بن ذویب کہتے ہیں کہ حضرت عروہ اس وجہ سے ہم سے آگے بڑھ گئے کہ حضرت عائشہ صدیقہؓ سے رشتہ داری کے سبب وہ ان کے پاس برابر آتے جاتے تھے۔ اس بنا پر انہیں تحصیلِ علم، جمع روایت اور کتابتِ علم میں وہ آسانیاں حاصل ہوئیں

جو کسی دوسرے کو میسر نہ تھیں۔ علامہ ذہبیؒ لکھتے ہیں:

''رسول اللہ ﷺ کی امت میں اور بالخصوص خواتین میں ان سے (یعنی حضرت عائشہ صدیقہؓ سے) زیادہ کسی صاحب علم کا مجھے علم نہیں۔ یہی خاتون حضرت عروہؒ کے لیے عظیم مصدر علمی اور ان کے مربیین میں سے تھیں۔'' ۱۵؎

سفیان بن عیینہؒ کا قول ہے:

''حضرت عائشہؓ سے سب سے زیادہ علم عروہؒ بن زبیرؓ، قاسمؒ بن محمد اور عمرۃ بنت عبدالرحمن نے حاصل کیا۔'' ۱۶؎

حضرت عروہؒ کو اخذ احادیث کا اس قدر شوق تھا کہ وہ ایک حدیث کو متعدد لوگوں سے روایت کرتے تھے۔

''ہشام بن عروہ اپنے والد گرامی سے روایت کرتے ہیں کہ مجھ سے عائشہ صدیقہؓ نے فرمایا: اے بیٹے! مجھے معلوم ہوا ہے کہ تو مجھ سے حدیث لکھتا ہے، پھر اسے کسی اور سے بھی روایت کرتا ہے۔ میں نے جواب دیا: ہاں، میں آپ سے سنتا ہوں، پھر کسی دوسرے سے بھی سنتا ہوں۔ انھوں نے دریافت کیا: تم جو کچھ سنتے ہو اس میں کیا کچھ اختلاف پاتے ہو۔ میں نے کہا: نہیں۔ عائشہؓ نے فرمایا: تو پھر کوئی حرج نہیں۔'' ۱۷؎

علی بن مدینی کہتے ہیں:

''لوگوں کو عروہؒ سے استفادہ میں کسی قسم کی رکاوٹ نہیں تھی۔ وہ سماعتِ حدیث کے لیے جمع ہوتے۔ عروہؒ انہیں درس و تدریس کی ترغیب دیتے اور احادیث کی چھان پھٹک کی مشق بھی کرواتے۔'' ۱۸؎

(ب) فقہ اسلامی میں

حضرت عروہ فقہ اسلامی میں بھی نمایاں مقام رکھتے ہیں۔ حضرت عمر بن

عبدالعزیزؒ نے مدینہ منورہ کا گورنر بننے کے بعد فقہاء مدینہ میں سے جن دس افراد کو اپنا مشیر بنایا، ان میں سے ایک عروہ بھی تھے :۱۹؎

خیر الدین الزرکلیؒ نے لکھا ہے:

''هو أحد الفقهاء السبعة بالمدينة، كان عالماً بالدين صالحاً كريماً''۲۰؎

''وہ مدینہ کے سات مشہور فقہاء میں سے تھے۔ دین کا علم رکھنے والے، نیک اور کریم النفس تھے۔''

علی بن المدینیؒ فرماتے ہیں:

''صحابہ کرامؓ کے فتوؤں کی بنیاد حضرت عبداللہ بن مسعود، حضرت زید بن ثابت اور حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہم کے اقوال پر ہوتی تھی اور حضرت زید بن ثابتؓ کے اقوال کی روشنی میں فتویٰ دینے والوں میں حضرت عروہؒ بھی ہیں۔''۲۱؎

اسی لیے ابن حزمؒ نے عروہؒ کو مفتی قرار دیا ہے۔۲۲؎

(ج) شعروشاعری میں

حضرت عروہ شعروشاعری سے بھی گہرا شغف رکھتے تھے۔ ان کے اشعار کتب سیر وتاریخ میں موجود ہیں۔ ابوالزناد کہتے ہیں کہ ''میں نے عروہؒ سے زیادہ کسی کو شعر روایت کرنے والا نہیں پایا۔ ۲۳؎

دنیاوی معاملات سے لاتعلقی

حضرت عروہؒ بن زبیرؓ نے اپنے دور کے معاشرتی اور سیاسی معاملات اور دیگر فتنوں سے کنارہ کشی اختیار کرلی اور زہد وتقویٰ کی زندگی بسر کی۔ جنگِ جمل میں کم سنی کی وجہ سے شریک نہ ہوئے، لیکن یزید بن معاویہ کے دور میں اپنے بھائی عبداللہ بن زبیرؓ کے مکہ مکرمہ میں اعلانِ خلافت، ۶۱ھ میں رونما ہونے والے واقعۂ کربلا اور ۶۳ھ میں

پیش آنے والے واقعۂ حرّہ (جس میں شامی فوجوں نے مدینہ منورہ پر یلغار کی تھی) وغیرہ کے موقع پر بھی ان کا نام نظر نہیں آتا۔ ۲۴؎ انھوں نے جب مدینہ منورہ سے باہر وادیٔ عقیق میں اپنا مکان تعمیر کروایا تو ان سے کہا گیا کہ آپ مسجد نبوی سے دور ہو گئے ہیں۔انہوں نے جواب دیا:

''إنی رأیت مساجدهم لاهیة، وأسواقهم لاغیة، والفاحشةفی فجاجهم غالیة، فکان فیما هنا لک عمّا هم فیه عافیة'' ۲۵؎

''میں نے دیکھا کہ مساجد میں غفلت عام ہو گئی ہے، بازاروں میں لغویات کا چلن ہے اور گلیوں میں نافرمانی عام ہے تو میں نے ان سے الگ تھلگ ہونے میں عافیت سمجھی۔''

سخاوت اور صبر وتحمل

عروہؒ بن زبیر کی ملکیت میں وادیٔ عقیق میں شان دار نخلستان اور باغات تھے۔ جب کھجور پک جاتی تو وہ ان کو لوگوں کے لیے کھول دیتے۔لوگ آتے، کھجوریں کھاتے اور اپنے ساتھ لے بھی جاتے تھے۔عروہؒ کی عادت تھی کہ جب وہ باغ میں داخل ہوتے تو قرآن کی اس آیت کا ورد کرتے رہتے:

وَلَوۡ لَا اِذۡ دَخَلۡتَ جَنَّتَکَ قُلۡتَ مَا شَآءَ اللّٰہُ لَا قُوَّۃَ اِلَّا بِاللّٰہِ (الکہف ۳۹)

''اور جب تو باغ میں آیا تھا (تو) تو نے کیوں نہ کہا کہ اللہ جو چاہے (وہی) ہوتا ہے۔''

ان کا یہ ورد باغ سے نکلنے تک جاری رہتا تھا۔۲۶؎

شام میں قیام کے دوران عروہ بن زبیر کے پاؤں میں پھوڑا نکل آیا۔تکلیف بڑھنے پر انھیں پاؤں کٹوانے کا مشورہ دیا گیا۔ پہلے تو انھوں نے انکار کیا، لیکن بعد میں آمادہ ہو گئے۔جرّاح کو بلایا گیا۔اس نے تھوڑی سی شراب پینے کو کہا، تا کہ آپریشن کی

تکلیف نہ ہو۔ انھوں نے انکار کرتے ہوئے فرمایا: میں حرام چیز استعمال کر کے سکون و عافیت نہیں چاہتا۔ چنانچہ انھوں نے کلمۂ طیبہ کا ورد کرتے ہوئے آپریشن کروایا۔ پھر گرم زیتون کو لوہے کی کڑھائی میں ڈال کر خون بند کیا گیا۔ شدید درد سے وہ بے ہوش ہو گئے۔ جب آنکھ کھلی اور افاقہ ہوا تو چہرے سے پسینہ پونچھا اور کٹے ہوئے پاؤں کو اپنے ہاتھ میں لے کر بلند آواز میں کہا:

''أما و الذی حملنی علیک انه لیعلم انی ما مشیت بک الی حرام أو معصیة''[۲۷]

''اس ذات کی قسم جس نے تیرے سہارے مجھے چلنے کی توفیق دی، وہ خوب جانتا ہے کہ میں تیرے سہارے چل کر کبھی حرام یا معصیت کی طرف نہیں گیا۔''

شام میں قیام کے دوران ہی عروہؒ کو دوسرا حادثہ یہ پیش آیا کہ ان کے صاحب زادے محمد (جو بہت وجیہ شخصیت کے مالک تھے) شاہی اصطبل میں چوپائے کی ٹکر سے وفات پا گئے۔ اس موقعہ پر عروہ نے کہا:

''لقد لقینا من سفرنا هذا نصباً۔ اللهم ان کنت أخذت لقد أعطیت، و إن کنت ابتلیت لقد عافیت''[۲۸]

''ہم نے اس سفر میں بہت تکلیف پائی۔ اے اللہ تو نے اسے لے لیا تو دیا بھی تو نے تھا۔ تو نے مجھے آزمائش میں مبتلا کیا تو عافیت بھی تیری ہی طرف سے ہے۔''

اصحابِ علم کی نظر میں

حضرت عمر بن عبد العزیزؒ نے فرمایا:

''ما أحد أعلم من عروة بن الزبیر، و ما أعلمه یعلم شیئا أجهله''[۲۹]

''میں نے عروہؒ سے بڑھ کر کسی کو عالم نہیں دیکھا اور جس چیز کو جاننے کا مجھے خیال آتا اس کو وہ اس طرح جانتے کہ مجھے اپنی جہالت کا احساس ہوتا۔''

امام زہریؒ فرماتے ہیں:

''میں نے جن حضرات سے علم حاصل کیا ان میں سے ایک سعید بن المسیبؒ تھے، جو سب سے زیادہ فقیہ تھے اور دوسرے عروہ تھے جو ایسے سمندر تھے جس کی گہرائی کا اندازہ لگانا ممکن نہ تھا۔'' ۳۰؎

ابن سعدؒ کے بہ قول: ''کان ثقة کثیر الحدیث فقیها عالیا مأمونا ثبتا'' ۳۱؎

''وہ ثقہ، کثیر الروایۃ، بڑے فقیہ اور نہایت درجہ پختہ علم کے مالک تھے۔''

ابن حبان نے کہا: ''کان من أفاضل أهل المدينة وعقلائهم'' ۳۲؎

''عروہؒ اہلِ مدینہ میں سے فاضل ترین اور عقل کے منبع تھے۔''

وفات

حضرت عروہؒ کے سن وفات کے بارے میں مؤرخین میں اختلاف پایا جاتا ہے۔ خلیفہ بن خیاط نے ۹۳ھ نقل کیا ہے۔ ابن قتیبہ نے اسی کو راجح قرار دیا ہے، جب کہ ابن جریر طبریؒ نے بیان کیا ہے کہ ۹۴ھ میں فقہاء مدینہ میں سے علی بن حسن، عبدالرحمن بن بکر، سعید بن المسیب اور عروہؒ بن زبیرؓ نے وفات پائی۔ ابن العماد الحنبلی نے ۹۲ھ اور ۹۴ھ دونوں نقل کیے ہیں۔ ابن سعید اور ابن القیم الجوزیؒ نے ۹۴ھ نقل کیا ہے۔ اور عبدالعزیز الدوری نے اسی کو سب سے زیادہ قرین قیاس قرار دیا ہے۔ ۳۳؎

حضرت عروہؒ بن زبیرؓ – اولین سیرت نگار

فن سیر و مغازی کا آغاز و ارتقاء پہلی صدی ہجری کے دوسرے نصف میں مدینہ منورہ سے ہوا۔ اس عہد کے معروف محدثین، فقہاء اور سیرت نگاروں میں ابان بن عثمان (م ۹۶ھ/۱۰۵ھ)، عروہ بن زبیرؓ (م ۹۳ھ/۹۴ھ)، شرحبیل بن سعد (م ۱۲۳ھ) اور وہب بن منبہ (م ۱۱۰ھ) ہیں۔

مؤرخین اور علماء سیرت کا اس بارے میں اختلاف ہے کہ فن مغازی پر سب

سے پہلے کس نے قلم اُٹھایا؟ ابن ندیم (م ۳۸۰ھ) نے ابوحسان الزیادی کے تذکرہ میں لکھا ہے کہ انہوں نے عروہؒ کی کتاب المغازی کو مدون کیا۔ ۳۴

امام سہیلی (م ۵۱۸ھ) نے امام زہریؒ کو پہلا سیرت نگار قرار دیا ہے۔ علامہ ذہبیؒ نے زہریؒ کے شاگرد موسیٰ بن عقبہ (م ۱۴۱ھ) کے بارے میں لکھا ہے کہ وہ پہلے سیرت نگار ہیں۔ معروف مستشرق کارل بروکلمان نے بھی اس قول کو راجح قرار دیا ہے۔ اس سلسلے میں حاجی خلیفہ نے دو قول نقل کیے ہیں: ایک یہ کہ محمد بن اسحاق (م ۱۵۵ھ) رئیس أهل المغازی ہیں، جب کہ دوسرے قول کے مطابق عروہؒ بن زبیرؓ پہلے سیرت نگار ہیں۔ ابن خلکان کے نزدیک عروہؒ پہلے سیرت نگار ہیں۔ سیرت ابن اسحاق کے مقدمہ میں الفرڈ گیوم نے عروہؒ کو نہ صرف پہلا سیرت و مغازی نگار، بلکہ تاریخ اسلام کا بانی بھی قرار دیا ہے۔ عبدالعزیز دوری نے عروہ اور امام زہری کو سیرت و تاریخ کے سرخیل قرار دیا ہے۔ ڈاکٹر فواد سیزگن اور ڈاکٹر مصطفی الاعظمی کی بھی یہی رائے ہے۔ ۳۵

مذکورہ بالا اقوال میں جو تعارض دکھائی دیتا ہے اس کی وجہ یہ ہے کہ تدوینِ سیر و مغازی کو عموماً دو ادوار میں تقسیم کیا جاتا ہے۔ دور اول (جو باقاعدہ تصنیف و تالیف کا دور نہیں ہے) پہلی صدی ہجری کے دوسرے نصف سے شروع ہوتا ہے، جب کہ دور ثانی کا آغاز دوسری صدی ہجری سے ہوتا ہے۔ یہ باقاعدہ تصنیف و تالیف کا دور ہے۔ سیرت و مغازی کی تدوین و تالیف اسی دوسرے دور سے تعلق رکھتی ہے۔ جن مؤرخین اور علماء سیر نے دور اول اور اس کی ترتیبِ زمانی کو مدنظر رکھا ان کے نزدیک ابانؒ بن عثمان اور عروہؒ بن زبیرؓ پہلے سیرت نگار ہیں اور جن مؤرخین نے دورِ ثانی کو سامنے رکھا انہوں نے اپنی اپنی رائے کے مطابق امام زہری، موسیٰ بن عقبہ اور محمد بن اسحاق میں سے کسی ایک کو پہلا سیرت نگار قرار دیا۔

ذیل میں ان اقوال و آراء کا جائزہ پیش کیا جاتا ہے جو حضرت عروہؒ کے اولین سیر و مغازی نگار ہونے پر دلالت کرتے ہیں:

- حافظ ابن کثیرؒ نے حضرت عروہؒ کے بارے میں واقدیؒ کا یہ قول نقل کیا ہے:

''کان فقیهاً عالماً ثابتاً حجةً عالماً بالسیر وهو اوّل من صنّف المغازی''۳۶؎

''وہ فقیہ، معتبر عالم، حجت اور ماہر سیرت تھے۔ انھوں نے سب سے پہلے کتاب المغازی کی تالیف کی۔''

- ابن حجر عسقلانیؒ نے ابن اسحاقؒ کا یہ قول نقل کیا ہے کہ ابوحسان الزیادی کی بہت سی کتب تھیں، جن میں حضرت عروہؒ کی کتاب المغازی بھی تھی۔ یاقوت الحموی (م۶۲۶ھ) اور امام سخاویؒ (م۹۸۲ھ) کا بھی یہی قول ہے۔ ۳۷؎
- یحییٰ بن معینؒ (م ۲۵۳ھ) نے عروہؒ کے بیٹے ہشام کے حوالے سے لکھا ہے کہ عروہؒ نے واقعہ حرّہ (۶۳ھ) کے موقع پر بہت سی کتب جلادی تھیں، جس کا انہیں بعد میں بہت افسوس رہا۔ ۳۸؎
- ڈاکٹر فواد سیزگین نے تاریخ طبری میں موجود ایک روایت **حدثنا ابن حمید ... عن عروۃ بن زبیر** کی تشریح وتجزیہ میں لکھا ہے:

''اس روایت کو امام طبریؒ نے واقدیؒ اور ابن ہشامؒ کی کتب سے نقل کیا ہے، جن کا ماخذ مغازی ابن اسحاق ہے اور ابن اسحاق کا ماخذ یزید بن رومان اور امام زہریؒ کی کتاب المغازی ہیں اور ان کا سارا دارومدار اور اعتبار عروہؒ بن زبیر کی کتاب المغازی پر ہے۔''۳۹؎

- حضرت ابان بن عثمانؒ بہ طورِ محدث معروف ہیں اور ان کی روایات کو متعدد افراد نے نقل کیا ہے۔ لیکن بہ طورِ سیرت نگار وہ اتنے معروف نہ تھے۔ مؤرخ یعقوبی (م۲۹۲ھ) کے علاوہ کسی نے ان سے مغازی کی روایات نقل نہیں کیں۔ ۴۰؎ ابن سعدؒ سے صرف ایک روایت **عن ابان عن معاویة بن عمار عن جعفر بن محمد** (م ۱۴۸ھ) منقول ہے۔ اس سند میں غور طلب پہلو یہ ہے کہ یہاں ابان بن عثمان مراد نہیں، بلکہ ایک دوسرا شخص ابان بن عثمان البخلی مراد ہے۔ ۴۱؎ ڈاکٹر بشار عواد معروف نے تہذیب الکمال کے حاشیہ میں لکھا ہے کہ ابان بن عثمان کی طرف کتاب

المغازی کی نسبت محض وہم ہے، کیوں کہ یہ کتاب ابان بن عثمان بن زکریا البخلی اللؤلؤی کی ہے، جو 'احمر' کے نام سے معروف ہے۔ ۴۲؎ ابن اسحاق، واقدی اور ابن سعد کی کتب میں سیرت رسولؐ سے متعلق حصوں میں بھی ابانؒ بن عثمانؓ کی کتاب المغازی کا ذکر نہیں ہے۔ ابان سے مغیرہ بن عبدالرحمن مخزومی نے جو روایات لی ہیں انہیں اصطلاحی معنی میں کتاب نہیں کہا جا سکتا، بلکہ انھیں روایتِ سیرت کا ایسا مختصر مجموعہ قرار دیا جا سکتا ہے جس کی اکثر روایات منظر عام پر نہ آسکیں۔ ۴۳؎

- موسیٰ بن عقبہ حضرت زبیرؓ بن العوام کے خاندان کے موالی اور امام زہریؒ کے شاگردوں میں سے تھے۔ بنو امیہ کے آخری دور کے نام ور فقیہ، محدث اور سیرت و مغازی کے عالم ہیں۔ بہ قول واقدی مسجد نبوی میں سیرت و مغازی کے حوالے سے ان کا حلقۂ درس قائم تھا اور لوگ ان سے فتاویٰ حاصل کرتے تھے۔ واقدی نے اپنی کتاب المغازی میں ان سے بہت کم روایات لی ہیں۔ امام مالک نے انہیں ماہر اور ثقہ عالم قرار دیا۔ ۴۴؎ امام شافعیؒ نے بھی ان کی کتاب کو سب سے زیادہ صحیح قرار دیا ہے۔ ۴۵؎ ان تمام دلائل سے موسیٰ بن عقبہ کی کتاب مغازی کا صحیح ترین ہونا تو ثابت ہوتا ہے، جس کی بنا پر بعض علماء سیر نے انہیں اولین مغازی نگار قرار دیا ہے، لیکن درحقیقت وہ اولین سیرت نگار نہیں ہیں۔

- محمد بن اسحاقؒ کو مؤرخین کی ایک جماعت اولین سیرت نگار کہتی ہے۔ وہ امام زہریؒ کے عالی مرتبت تلامذہ میں سے ہیں۔ ان کی سیرتِ نبوی پر جامع کتاب 'سیرۃ ابن ہشام' کی صورت میں آج دنیا کے سامنے ہے۔ ابن اسحاق عہد بنو عباس سے تعلق رکھتے ہیں، جب فنِ سیر و مغازی بہت ترقی کر چکا تھا۔ ابن اسحاق کو اس دور میں اولیت اس معنی میں تو حاصل ہے کہ انہوں نے رسول اللہ ﷺ کی حیاتِ مبارکہ کے مختلف ادوار کو منظم و مربوط انداز میں اپنی کتاب میں پیش کیا ہے اور انبیاء سابقین علیہم السلام کے حالات کی شمولیت سے اس میں مزید وسعت پیدا ہو گئی ہے۔ ۴۶؎ اس لیے یہ کہنا بے جا نہ ہوگا کہ محمد بن اسحاقؒ سیرت و مغازی کو مدوّن شکل میں پیش کرنے والے پہلے

سیرت نگار ہیں، نہ کہ اس فن کے بانی ہیں۔ حاجی خلیفہ نے لکھا ہے:

''و جمعها اوّلاً محمد بن اسحاق و اوّل من صنّف فیها عروة بن الزبیر''۴۷؎

''روایاتِ سیرت کی تدوین سب سے پہلے محمد بن اسحاق نے کی۔ البتہ فن سیرت میں اولین تصنیف عروہ بن زبیر کی ہے''

ابن اسحاقؒ کی مرویات صحیح کے درجے تک نہیں پہنچتیں، بلکہ حسن درجے کی ہیں، وہ بھی اس شرط پر جب وہ خود سماع کی صراحت کریں، کیوں کہ وہ مدلّس ہیں۔ گویا ان کی روایاتِ سیرت حسن اور ضعیف دونوں اقسام پر مشتمل ہیں۔ ۴۸؎

- امام مسلم بن شہاب الزہری (م ۱۲۴ھ) کے بارے میں بھی یہ خیال کیا جاتا ہے کہ وہ اوّلین سیرت نگار ہیں، لیکن حقیقت میں ایسا نہیں ہے۔ امام زہریؒ کے بارے میں یہ بات تو واضح ہے کہ وہ باقاعدہ تالیف وتصنیف کے ابتدائی دور سے تعلق رکھتے ہیں اور بلا شبہ انہوں نے سیرت نبویؐ کی مختلف ومنتشر روایات کو باقاعدہ منظم ومربوط انداز میں مرتب کر کے مغازی پر ایک کتاب تحریر کی تھی، جو بعد کے علماء سیر و تاریخ کو دست یاب نہ ہوسکی، تاہم 'الزھریات' کے عنوان کے تحت ذخیرۂ احادیث میں جو کچھ نقل کیا گیا ہے اسے بعد کے محدثین ومؤرخین نے جمع کیا اور وہ اب منتشر صورت میں کتبِ سیر وتاریخ میں موجود ہے۔ ۴۹؎ امام سخاویؒ اور حاجی خلیفہؒ لکھتے ہیں کہ امام زہریؒ نہ صرف عروہؒ کے شاگرد تھے، بلکہ ان سے مرویاتِ مغازی نقل بھی کرتے تھے۔ ۵۰؎ امام زہریؒ نے عروہؒ کے بارے میں کہا تھا:

''أدرکت من القریش أربعة بحور: سعید بن المسیب وعروة بن الزبیر و أبا سلمة بن عبد الرحمن وعبید اللہ بن عتبة''۵۱؎

''میں نے قریش کے چار اصحاب علم کو بحر بیکراں پایا: سعید بن المسیب، عروہ بن زبیر، ابوسلمہ بن عبدالرحمن اور عبید اللہ بن عتبہ''۔

دور حاضر کے معروف محقق ڈاکٹر محمود احمد غازیؒ لکھتے ہیں:

"عام طور پر محدثین، سیرت نگار اور مؤرخین یہ لکھتے چلے آئے ہیں کہ سیرت نگاری میں سب سے پہلا کام امام زہریؒ نے کیا۔ یقیناً ایک زمانے تک اہل علم کے حلقوں میں یہی خیال تھا کہ امام زہریؒ پہلے آدمی ہیں جنہوں نے سیرت و مغازی پر کتاب لکھی۔ چنانچہ ان کی کتاب 'مشاهد النبیؐ' کا کئی لوگوں نے تذکرہ کیا ہے اور امام سخاویؒ نے بھی اعلان بالتوبیخ میں یہ بات کہی ہے۔ لیکن اب حضرت عروہؒ کی کتاب دست یاب ہونے کے بعد اور حضرت ابانؒ بن عثمانؓ کی مرویات کے تحریری طور پر مرتب ہونے اور عاصم بن عمر بن قتادہؒ کی کتاب کے مرتب ہونے کے بعد یہ کہنا مشکل ہے کہ امام زہریؒ پہلے مصنف ہیں۔ یہ بیان اس وقت کی معلومات کی روشنی میں تو درست تھا، لیکن اب نئی اور تازہ ترین تحقیقات کی رُو سے درست نہیں ہے۔ اس وقت تازہ ترین معلومات و تحقیقات کے اعتبار سے قدیم ترین سیرت نگار عروہؒ بن زبیرؓ ہیں، جن کے بارے میں کئی لوگوں نے کہا ہے کہ وہ ایسا سمندر ہے جو کبھی ختم نہیں ہوتا۔"۵۲؎

مغازی عروہؒ بن زبیرؓ کا تعارف

حضرت عروہؒ کی کتاب 'مغازی رسول اللہ' اپنے فن کے اعتبار سے اوّلین تصنیف ہے، جسے ان کے شاگرد محمد بن عبدالرحمن بن نوفل بن الاسود معروف بہ ابو الاسود یتیم عروۃ (م ۱۳۱ھ) نے ان سے روایت کیا ہے۔ قلمی شکل میں موجود اس کتاب کو ہندوستان کے معروف محقق ڈاکٹر محمد مصطفی الاعظمی (پ ۱۹۳۲ئ) نے مرتب و مدوّن کرکے پندرہویں صدی ہجری کی استقبالیہ تقریبات (۱۴۰۱ھ/ ۱۹۸۱ئ) کے موقع پر **مکتب التربیة العربی لدول الخلیج، الریاض** کے تعاون سے سعودی عرب سے شائع کیا۔ اس نسخہ میں اصل متن کے علاوہ ایک طویل مقدمہ، سات مکاتیب اور تین ضمیمے شامل ہیں۔ یہ کل ۲۶۳ رصفحات پر مشتمل ہے۔ مقدمہ ۹۷ رصفحات پر محیط ہے۔ اس میں سیرت نگاری کی ابتدائی تاریخ پر تفصیل سے روشنی ڈالی گئی ہے اور اس سلسلے میں

مستشرقین کے اعتراضات نقل کر کے ان کا مدلل اور مسکت جواب دیا گیا ہے۔

کتاب کا اصل متن ۱۲۲ رصفحات پر مشتمل ہے۔اس کا مرکزی موضوع تو رسول اللہ ﷺ کے غزوات وسرایا ہیں، تاہم اس میں آپؐ کی حیاتِ مبارکہ کے دیگر اہم واقعات بھی بیان کیے گئے ہیں۔ مثال کے طور پر بدء الوحی اور حضرت خدیجہؓ کا موقف، حضرت خدیجہؓ کی ورقہ بن نوفل سے ملاقات، حضرت جبرئیلؑ کا نبی کریمؐ کو وضو اور نماز کا طریقہ سکھلانا، آپؐ کا اپنی قوم اور دیگر افراد کو دعوتِ حق دینا، سفر طائف کا مفصل بیان اور اس پر اہل مکہ کا ردعمل، پہلی ہجرت حبشہ کی تفصیلات، شاہ حبشہ نجاشی کی کفارِ مکہ کے وفد اور حضرت جعفر طیارؓ سے گفتگو، ایک نصرانی نوجوان عقبہ بن ربیعہ بن عبد الشّمس معروف بہ 'عداس' کا قبولِ اسلام، حدیثِ معراج کا اشارۃً تذکرہ، حضرت مصعبؓ بن عمیر کو معلّم بنا کر مدینہ بھیجنا، بیعت عقبہ اولیٰ و ثانیہ کا مفصل بیان وغیرہ۔ پھر اس کے بعد تمام اہم غزوات وسرایا کو زمانی ترتیب سے بیان کیا گیا ہے۔آخر میں نبی کریم ﷺ کی بعض دستاویزات اور مرض الموت کے بارے میں تفصیلات فراہم کی گئی ہیں۔ کتاب کے اصل متن کے بعد فاضل مرتب نے سات ایسے مکاتیب شامل کیے ہیں جو رسول اکرم ﷺ نے صلح کی غرض سے مختلف قبائل کے سرداروں اور حکمرانوں کو لکھے تھے۔

آخر میں فہرست موضوعات کے علاوہ مصادر ومراجع کی ایک جامع فہرست پیش کی گئی ہے۔ جو حدیث، تاریخ، سیرت اور رجال کی بنیادی کتب پر مبنی ہے۔

مغازی کا منہج واُسلوب

حضرت عروہؒ نے کتاب کے مواد کو بڑے مربوط انداز میں مرتب ومدوّن کیا ہے۔انھوں نے سب سے پہلے اسناد کے ساتھ روایات جمع کیں، واقعات کو مکمل طور پر بیان کرنے کے لیے مختلف متون کا موازنہ کیا۔اسی طریقہ کو بعد کے سیرت نگاروں نے بھی اپنایا، جن میں امام زہریؒ اور ابن اسحاقؒ شامل ہیں۔ ۵۳؎

حافظ ابن حجر عسقلانیؒ نے مغازی عروہؒ کے اُسلوب کے بارے میں لکھا ہے

کہ اس میں کہیں ''أبو الاسود فی مغازیہ عن عروۃ'' لکھا گیا ہے اور کہیں صرف مغازی عروۃ۔ اس سے یہ سوال اُٹھتا ہے کہ یہ کتاب ابوالاسود یتیم عروۃ کی تالیف ہے یا عروہؒ بن زبیرؓ کی؟ ڈاکٹر محمد مصطفی الاعظمی نے اس کا جواب یہ دیا ہے کہ قدماء کے نزدیک کتاب کی نسبت کی دو نوعیتیں ہوتی ہیں: کبھی اس کی نسبت مؤلف کی طرف ہوتی ہے اور کبھی راوی کی طرف۔ اس انداز کو کبھی غلط نہیں کہا گیا۔ ۵۴؎

عبدالعزیز الدوری نے عروہؒ بن زبیرؓ کے اُسلوب کو بالکل واضح اور سلیس قرار دیا ہے کہ وہ واقعات کو ایک زندہ حقیقت کی طرح بیان کرتے ہوئے مسلسل گفتگو کرتے چلے جاتے ہیں۔ ۵۵؎

قرآنی آیات سے استدلال

حضرت عروہؒ نے اپنی کتاب میں سب سے زیادہ قرآنی آیات سے استدلال کیا ہے۔ مختلف واقعات کے ذیل میں انھوں نے سولہ (۱۶) سورتوں کی ستر سٹھ (۶۷) آیات نقل کی ہیں۔ سب سے زیادہ آیات سے استدلال رؤیا عاتکہ اور غزوۂ بدر کے واقعات میں کیا ہے۔

اشعار کا استعمال

حضرت عروہؒ نے موضوع کی مناسبت سے آٹھ (۸) مقامات پر دس (۱۰) شعراء کے اشعار نقل کیے ہیں۔ ان شعراء کے نام یہ ہیں:

زید بن عمرو بن نفیل، ورقہ بن نوفل، لبید بن ربیعہ، طالب بن ابی طالب، المجد، ہند بنت عتبہ، حبیب، عبداللہ بن رواحہ، حسان بن ثابت، عباس بن مرداس۔

اسناد کا بیان

مغازی عروہ کی وہ تمام روایات جو ابوالاسود سے مروی ہیں، اسناد سے مکمل طور پر عاری ہیں۔ اس کی متعدد وجوہ ہیں:

۱۔ پہلی صدی ہجری میں اسناد تحریر کرنے کا رواج نہیں تھا۔
۲۔ اسناد کے حوالے سے وہ مقررہ معیار، جو بعد کی صدیوں بالخصوص دوسری اور تیسری صدی ہجری میں ناگزیر صورت میں دکھائی دیتا ہے، ابھی قائم نہیں ہوا تھا۔
۳۔ اسلام اور پیغمبرِ اسلام ﷺ کے حوالے سے تاریخی نوعیت کے وقائع پر ابھی کچھ زیادہ وقت نہیں گزرا تھا۔
۴۔ بہت سے صحابہ کرامؓ اس عہد میں ابھی زندہ تھے، جو تمام تاریخی واقعات کے عینی شاہد تھے۔ اصطلاحاتِ حدیث کی رو سے ابو الاسود کی تمام روایات مرسل نظر آتی ہیں (جن میں تابعی کے بعد صحابی کا نام ساقط ہو) اور محدثین کرامؒ کے نزدیک ایسی تمام روایات ضعیف ہوتی ہیں۔ امام بیہقیؒ نے مرسل کی اقسام اور ان سے اخذ و استفادہ (بالخصوص سیرت و مغازی میں) کی شرائط پر تفصیلی بحث کی ہے۔۵۶

انساب کا بیان

حضرت عروہؒ نے سیرت کے حوالے سے انساب کا خصوصی طور پر اہتمام کیا ہے۔ جہاں کہیں ایسے نام آئے ہیں جو کئی افراد کے ہیں، خواہ ان کا تعلق غزوات سے ہو یا شہداء سے، تو انھوں نے محض نام لکھ دینے پر اکتفا نہیں کیا، بلکہ تفصیل سے نسب ذکر کیا ہے، مثلاً شہداء بدر کے اسماء کے سلسلہ میں صرف 'انصاری' یا 'مہاجر' نہیں لکھا، بلکہ ہر شخص کے ضمنی قبیلہ اور شاخ کا ذکر بھی کیا ہے جیسے:

– الحارث بن سراقة ثم بن نجار

– سعد بن عبادة بن دليم بن حارثة بن خزيمة وهو نقيب وقد شهد بدرا

اس قسم کی متعدد مثالیں بیعت عقبہ اولیٰ و ثامیہ (۱۱ اور ۱۳ نبوی)، شہداء احد (شوال ۳ ہجری)، حنین (شوال ۸ ہجری) اور دیگر واقعات میں موجود ہیں۔۵۷

مؤرخانہ اندازِ تحریر

حضرت عروہؒ سے منسوب روایاتِ سیرت و مغازی میں مؤرخانہ اُسلوبِ تحریر

کی جھلک موجود ہے، جو تاریخ وحدیث کی کتب میں متفرق طور پر قدیم ترین اور مستند ترین واقعات کی صورت میں دکھائی دیتی ہیں، مثلاً:

۱— حضور اکرم ﷺ کا بعثت سے قبل مختلف خواب دیکھنے کا تذکرہ۔

۲— حضور اکرم ﷺ کے چچا ابو طالب کی وفات (رجب ۱۰ نبوی) کے بعد مشرکینِ مکہ کی دیدہ دلیری۔

۳— ہجرتِ مدینہ کے اسباب ومحرّکات، مہاجرین کی حالتِ زار اور ان کا مدینہ پہنچ کر مختلف امراض کا شکار ہونا۔

۴— غزوۃ بدر الکبری (رمضان ۲ھ) کے حالات و واقعات۔

۵— واقعۂ افک (۵ یا ۶ھ) کا تذکرہ۔

۶— معرکہ مؤتہ (جمادی الاولی ۸ھ) کے واقعات کا تذکرہ۔

۷— لشکرِ اسامہ بن زیدؓ کی روانگی (صفر ۱۱ھ) اور حضورِ اکرم ﷺ کا مرض الموت، وفات (۱۲ ربیع الاول ۱۱ھ) اور دیگر واقعات کا بیان۔ ۵۸؎

مذکورہ تفصیل سے یہ بات واضح ہوتی ہے کہ حضرت عروہؒ کی خصوصی توجہ اور دل چسپی کا موضوع سیرت نبوی اور مغازی تھا، لیکن اس کا یہ مطلب نہیں کہ وہ خلفائے راشدین کے عہد کے بارے میں سکوت اختیار کیا ہے، بلکہ انہوں نے اس دور کے اہم واقعات کے متعلق بھی روایات نقل کی ہیں، مثلاً انھوں نے حضرت ابوبکر صدیقؓ کے دورِ خلافت کے متعدد واقعات کا تذکرہ کیا ہے۔ عہدِ فاروقی میں لڑی جانے والی جنگِ قادسیہ (۱۴ ہجری) کے بارے میں معلومات فراہم کی ہیں۔ حضرت عثمانؓ بن عفان کی شہادت کا واقعہ بیان کیا ہے۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ کے عہد میں لڑی جانے والی جنگ جمل (۳۶ ہجری) کے بارے میں ایک روایت ذکر کی ہے۔

مصادر

حضرت عروہؒ بن زبیرؓ کے بنیادی مصادر تین ہیں:

۱– قرآنِ حکیم:

حضرت عروہؒ سیرتِ نبویؐ سے متعلق حالات و واقعات بیان کرنے میں سب سے پہلے قرآنی آیات سے استدلال کرتے ہیں۔ ان کی کتاب **المغازی بروایت أبی الأسود** کے مطبوعہ نسخہ میں مختلف واقعات کے ضمن میں سڑسٹھ (۶۷) آیات نقل کی گئی ہیں۔

۲– بالمشافہہ روایات:

دوسرا بڑا مصدر بالمشافہہ روایات ہیں۔ عروہؒ نے اپنی زندگی کا بڑا حصہ مدینہ منورہ میں گزرا۔ اسی وجہ سے صحابہ کرام اور ابنائے صحابہ سے ان کا بہ راہِ راست رابطہ تھا۔ ان کے ذریعے ان کو تاریخِ اسلام کے بالکل ابتدائی عہد خصوصاً سیرت نبویؐ سے متعلق معلومات حاصل ہوئیں۔

بالمشافہہ مصادر کو تین حصوں میں تقسیم کیا جاسکتا ہے:

(الف) خاندان:

حضرت عروہؒ نے جن حضرات سے روایات لی ہیں ان میں ان کے اپنے خاندان کے افراد بھی شامل ہیں، مثلاً ان کے والد حضرت زبیرؓ بن العوام، والدہ حضرت اسماء بنت ابی بکرؓ اور بھائی حضرت عبداللہ بن زبیرؓ۔

(ب) اعزا و اقارب:

سیرت نبویؐ اور دیگر تاریخی واقعات کے حوالے سے عروہؒ نے اپنے جن اعزا و اقارب سے بہ راہ راست روایات لیں ان میں حضرت علیؓ بن ابی طالب اور ان کی خالہ ام المؤمنین حضرت عائشہ صدیقہؓ زیادہ نمایاں ہیں۔

(ج) صحابہ کرامؓ اور ابنائے صحابہ:

عروہؒ کی بالمشافہہ روایات (مصادر) کی تیسری قسم جلیل القدر صحابہ کرامؓ اور ان کی اولاد پر مشتمل ہے، مثلاً ابو ہریرہؓ، عبداللہ بن عباسؓ، عبداللہ بن عمرؓ، زید بن ثابتؓ، اسامہ بن زیدؓ، مغیرہ بن شعبہؓ، ابو ایوب انصاریؓ، عبداللہؓ بن عمرو بن

العاص، ابن حمید السا عدیؓ، عمرو بن العاصؓ، معاویہ بن ابی سفیانؓ، المسور بن مخرمہ، عمر بن ابی سلمہ، عبداللہ بن زمعہ، حکیم بن حزامؓ، قیس بن عبادہ، زید بن ابی صلت، ام ہانیؓ بنت ابی طالب اور ام المؤمنین ام سلمہؓ۔

مذکورہ بالا رواۃ کی فہرست سے واضح ہوتا ہے کہ صحابہ کرام اور ابنائے صحابہ میں سے یہ وہ حضرات ہیں جنہیں تاریخ اسلام میں بڑی شہرت حاصل ہوئی اور مسلمانوں کے دلوں میں ان کی قدر و منزلت بھی بہت زیادہ تھی۔ یہ سب شواہد عروہؒ کی بالمشافہہ روایات (مصادر) کی ثقاہت اور تاریخی اہمیت کو نمایاں کرتے ہیں۔ اسی وجہ سے تاریخ و حدیث کی کتب میں ان کے بکھرے ہوئے تاریخی آثار قدیم ترین اور مستند ترین شمار کیے جاتے ہیں۔

۳— تحریری مواد:

تیسری اہم چیز وہ تحریری دستاویزات ہیں جن سے عروہؒ نے سیرت نبوی کے حوالے سے استفادہ کیا ہے۔ ان کو تحریری دستاویزات بالخصوص مکاتیبِ نبویؐ سے بے حد دل چسپی تھی۔ اس لیے وہ مختلف واقعات سیرت میں بہ طورِ حوالہ ان کا تذکرہ کرتے ہیں مثلاً حضورِ اکرم ﷺ کے وہ خطوط جو آپؐ نے حارث بن کلال، شریح بن عبد کلال اور نعیم بن عبد کلال اور قبیلہ بنو زرعہ اور بنی ذی یزن کو تحریر فرمائے تھے۔

مغازی رسول اللہ کا اردو ترجمہ

مغازی عروہ کا اب تک صرف اردو زبان میں ترجمہ ہوا ہے۔ یہ اعزاز ادارۂ ثقافتِ اسلامیہ، لاہور کو حاصل ہوا ہے، جس نے ملک کے معروف عالم مولانا محمد سعید الرحمان علوی کے ذریعہ اس کام کو پایۂ تکمیل تک پہنچایا۔ کتاب کا پہلا ایڈیشن ۱۹۸۷ء میں منصۂ شہود پر آیا اور اب تک اس کے تین ایڈیشن بغیر ترمیم و اضافہ کے شائع ہوئے ہیں۔ یہ ترجمہ ۲۸۵ صفحات پر مشتمل ہے۔ کتاب کا تعارف معروف مؤرخ مولانا محمد اسحاق بھٹی کے قلم سے ہے۔

حواشی ومراجع

۱۔ أنساب الاشراف، البلاذری، مکتبه القدس، بیروت، ۱۹۳۶ئ، ۳۷/۵

۲۔ سیر أعلام النبلائ، الذهبی، تحقیق وتخریج، حسّان بن عبدالحنان، بیت الافکار الدّولیة، لبنان، ۲۰۰۴ئ، ۲/۷۷، ۲۶

۳۔ وفیات الأعیان، ابن خلکان، مکتبه النهضة المصریة القاهرة، ۱۹۴۸ئ، ۲/۴۲۱؛ تهذیب التهذیب، ابن حجر عسقلانی، (تحقیق مصطفی عبدالقادر عطا) دار الکتاب العلمیة، بیروت، ۱۹۹۴ئ، ۷/۱۸۰؛ شذرات الذهب فی أخبار من ذهب، ابن العماد الحنبلی، دار المیسرة، بیروت، ۱۹۷۹ئ، ۱/۱۰۲

۴۔ بحث نشأة علم التاریخ عند العرب، د۔عبدالعزیز الدوری، المطبعة الکاثولیکیة، بیروت، ۱۹۶۰ئ، ص ۲۲؛ التاریخ، لخلیفه بن خیاط، (تحقیق:الدکتور محمد أکرم ضیاء العمری)، دار القلم، بیروت و دمشق، ۱۹۷۷ئ، ۱/۱۵۹

۵۔ صحیح البخاری، کتاب المناقب، باب مناقب الزبیر بن عوام، ۳۷۱۹

۶۔ صحیح مسلم، کتاب فضائل الصحابة، باب فضائل طلحة و الزبیر، ۲۴۱۶

۷۔ سیر أعلام النبلاء، ۲/۲۱۴-۲۰۸

۸۔ أنساب الاشراف، ص ۶۳

۹۔ حلیة الأولیائ، ابو نعیم الأصبهانی، دار الکتاب العربی، بیروت، ۱۹۹۷ئ، ۲/۲۰۰

۱۰۔ التاریخ الکبیر، البخاری، (تحقیق عبدالقادر مصطفی عطا)، دار الکتاب العلمیة، بیروت، ۶/۳۴۰؛ تهذیب الکمال فی أسماء الرجال، (تحقیق الشیخ أحمد عکی عبید، أد حسن أحمد آغا)، دار الفکر، بیروت، ۱۹۹۴ئ، ۱۲/۹

۱۱۔ تاریخ دمشق، ابن عساکر، دار إحیاء التراث العربی، بیروت، ۱۹۸۳ئ، ۲/۱۲۸۱

۱۲۔ تهذیب التهذیب، طبع حیدر آباد، هند، ۱۹۷۳ئ، ۷/۱۸۲؛ تهذیب الکمال فی أسماء الرجال، جمال الدین المزی (۷۴۲هـ) تحقیق الدکتور بشار عواد معروف، مؤسسة الرسالة، بیروت ۱۹۸۳ئ، ۴۶۵، ۴۶۴

۱۳؎ السیرۃ النبویۃ لإبن ھشام، منشورات مصطفی، قم، ایران، س۔ن، ۱/ھ۔
۱۴؎ تھذیب الکمال فی أسماء الرجال، ۱۳/ ۱۱
۱۵؎ سیر أعلام النبلاء، ۲/ ۱۰۱
۱۶؎ تھذیب الکمال فی أسماء الرجال، ۱۳/ ۱۱
۱۷؎ الکفایۃ فی علم الروایۃ، الخطیب البغدادی، دائرۃ المعارف العثمانیۃ، حیدرآباد ھند، ۱۳۵۷ھ، ص ۲۰۵
۱۸؎ کتاب العلل، علی ابن المدینی، ص ۳۹، م۔ا
۱۹؎ مغازی رسول اللہ لعروۃ بن الزبیر، (تحقیق و تخریج الدکتور محمد مصطفی الأعظمی)، مکتب التربیۃ لدول الخلیج، الریاض، طبع اولی، ۱۹۸۱ئ، ص ۹
۲۰؎ الأعلام، خیر الدین الزرکلی، دار العلم للملایین، لبنان، ۱۹۹۷ئ، ۵/ ۱۷
۲۱؎ کتاب العلل، ص ۲۴-۲۲
۲۲؎ أصحاب الفتیا من الصحابۃ والتابعین، ابن حزم الاندلسی، تحقیق سید کسروی حسن، دار الکتاب العلمیۃ و دار ابن الباز مکہ مکرمہ، ۱۹۹۵ئ، ص ۱۳۱
۲۳؎ سیر أعلام النبلائ، ۱/ ۲۴۷
۲۴؎ تدوینِ سیرت و مغازی، قاضی اطہر مبارک پوری، کتاب سرائے، اردو بازار، لاہور، طبع اول ۲۰۰۵ئ، ص ۱۷۷
۲۵؎ حلیۃ الأولیائ، ۲/ ۱۸۰
۲۶؎ حلیۃ الأولیائ، ۲/ ۱۸۰،
۲۷؎ وفیات الأعیان، (تحقیق احسان عباس)، دار الثقافۃ، بیروت، ۳/ ۲۵۶
۲۸؎ تھذیب الکمال فی أسماء الرجال، ۱۳/ ۱۲
۲۹؎ تاریخ دمشق لابن عساکر، ۱۲۸/۷؛ تھذیب الکمال فی أسماء الرجال، ۱۰/۱۳
۳۰؎ تاریخ دمشق، ۱/ ۲۸۵
۳۱؎ طبقات ابن سعد، ۵/ ۱۳۳
۳۲؎ تھذیب التھذیب، ۵/ ۱۸۵، ۱۸۳
۳۳؎ تاریخ خلیفۃ بن خیاط، ص ۳۰۶؛ تاریخ الأمم والملوک، ابن جریر الطبری، مؤسسۃ الرسالۃ، بیروت، ۱۹۹۸ء، ۵/ ۵۴۰؛ شذرات الذھب فی اخبار من الذھب، ۱/ ۱۰۲؛ صفۃ الصفوۃ، لإبن الجوزی،

مجلس دائرۃ المعارف العثمانیۃ، حیدر آباد دکن، ۱۳۵۷ھ، ۲/۴۸؛ بحث فی نشاۃ علم التاریخ عند العرب، ص ۶۲؛ تاریخ دمشق، ۱/۲۹۴

۳۴۔ الفهرست، ابن الندیم، دار الکتب العلمیۃ، الطبعۃ الثانیۃ، بیروت، ۲۰۰۲ئ، ص ۱۷۶

۳۵۔ الروض الانف، عبدالرحمن السهیلی، (تحقیق و تخریج، عبدالرحمان وکیل)، دار الکتاب العلمیۃ، قاهرہ، ۱۹۶۷ئ، ۱/۱۲۲؛ سیر أعلام النبلائ، ۲/۱۴۹؛ تاریخ الأدب العربی، کارل بروکلمان، ۱/۱۸، مترجم عبدالحلیم نجار، دار المعارف، مصر، ۱۹۶۲ئ؛ کشف الظنون، ۲/۵۲؛ وفیات الأعیان، ۲/۱۲۲

The Life of Muhammad, Alford Guillaume, P xii Oxford University Press, 18th Edition, 2004,

نشاۃ علم التاریخ عند العرب، ص ۶۱؛ تاریخ علوم اسلامیہ، فواد سیزگن، ۲/۵۷، (مترجم شیخ نذیر احمد)، پاکستان رائٹرز کوآپریٹو سوسائٹی، لاہور، س–ن، دراسات فی الحدیث النبوی و تاریخ تدوینہ، الدکتور محمد مصطفی الاعظمی، المکتب الاسلامی، بیروت، ۱۹۹۲ئ، ۱/۱۵۸

۳۶۔ البدایۃ و النهایۃ، ابن کثیر، تحقیق و تخریج شیخ یوسف محمد البقاعی، دار الفکر، بیروت، ۱۹۹۸ئ، ۶/۲۲۷

۳۷۔ السیرۃ النبویۃ فی فتح الباری، الحافظ ابن حجر العسقلانی، تحقیق و دراسۃ، محمد امین محمود الجنیکی، مکتبہ دار البیان، کویت، ۲۰۰۱ئ، ۳/؛ معجم الأدبائ، یاقوت الحموی، منشورات دار الکتاب العلمیۃ، بیروت، ۱۹۹۱ئ، ۳/۹؛ التحفۃ الطیف فی تاریخ المدینۃ الشریف، السخاوی، دار الکتاب العلمیۃ، بیروت، ۱۹۹۳ئ، ۲/۲۵۸

۳۸۔ طبقات ابن سعد، ۵/۱۳۳

۳۹۔ تاریخ علوم اسلامیہ: ۲/۱۶، ۱۵ ۴۰۔ حوالہ سابق: ۲/۵۲

۴۱۔ المغازی الأولیٰ و مؤلفوها، جوزف هوروفتس (مترجم: حسین نصار)، المکتبۃ الخانجی بالقاهرۃ، طاولیز ۲۰۰۱ئ، ص ۲۱

۴۲؎ تهذیب الکمال فی أسماء الرجال، ۱۹/۲

۴۳؎ المغازی الأولی ومؤلفوها، ص ۲۱

۴۴؎ حوالہ سابق، ص ۸۵، ۸۶، ۸۸

۴۵؎ الجامع لاخلاق الراوی و آداب السامع، الخطیب البغدادی، (تحقیق الدکتور محمود الطحان)، مکتبہ المعارف، الریاض، ۱۹۸۳ئ، ۲۲۵/۲

۴۶؎ المغازی الأولی ومؤلفوها، ص

۴۷؎ کشف الظنون، حاجی خلیفہ چلپی، دار الفکر، بیروت، ۱۹۹۹ئ، ۶۰۴/۲

۴۸؎ سیرتِ رحمتِ عالم، ڈاکٹر محمد ضیاء العمری، (مترجم) خدا بخش کلیار، نشریات، لاہور، طبع اول، ۲۰۰۷ئ، ص ۶۰

۴۹؎ المغازی الاولی ومؤلفوها، ص ۶۸

۵۰؎ إعلان التوبیخ لمن ذمّ التاریخ، السخاوی، دار المعرفة، بیروت، س۔ن، ص ۸۸؛ کشف الظنون، ۶۰۴/۲

۵۱؎ تهذیب الکمال فی أسماء الرجال، ۱۲/۱۳، ۱۱

۵۲؎ محاضراتِ سیرت، ڈاکٹر محمود احمد غازی، فیصل ناشران و تاجران کتب، لاہور، طبع اول، ۲۰۰۷ئ، ص ۱۶۷

۵۳؎ دراسات فی الحدیث النبوی وتاریخ تدوینه، ۱۵۹/۱-۱۵۷

۵۴؎ فتح الباری، ۲۴/۱؛ ۳۳۳/۵؛ دراسات فی الحدیث النبوی و تاریخ تدوینه، ص ۲۸۵-۲۸۱

۵۵؎ بحث نشاة علم التاریخ عند العرب، ص ۷۶، ۷۵

۵۶؎ دلائل النبوة، ۸۹/۱

۵۷؎ مغازی رسول اللہ ﷺ لعروة بن الزبیر، ص ۶۶

۵۸؎ تاریخ الرسل والملوک، دار إحیاء التراث العربی، بیروت، ۱۹۹۵ئ، ۲۷۰/۱؛ السیرة النبویة، لابن هشام، ۲۳۴/۱؛ فتوح البلدان، ۱۱/۱؛ کتاب المغازی للواقدی، ۱۹۶۶/۱، ۱۵۲-۱۴۸ئ؛ تاریخ الرسل والملوک، ۵۱۹/۲؛ التاریخ لابن خیاط، ۱۰/۱

★★★

تعارف وتبصرہ

عصری عائلی مسائل اور اسلامی تعلیمات ڈاکٹر حافظہ شاہدہ پروین

ناشر: شعبۂ علوم اسلامیہ، پنجاب یونی ورسٹی لاہور، ۲۰۱۳ئ، صفحات: ۴۹۲، قیمت: ۵۰۰ روپے (پاکستانی)

موجودہ دور میں خاندان کا ادارہ بری طرح ٹوٹ پھوٹ کا شکار اور نت نئے مسائل میں گرفتار ہے۔ ان مسائل نے معاشرہ کو پراگندہ کر رکھا ہے۔ یہ صرف مغربی معاشروں کی تصویر نہیں ہے، بلکہ مشرقی اور مسلم معاشرے بھی ان مسائل کا شکار ہیں۔ ان سے چھٹکارا اسی صورت میں مل سکتا ہے جب اسلام کے دامنِ رحمت میں پناہ لی جائے اور اس کی تعلیمات کو حرزِ جان بنایا جائے۔ زیرِ نظر کتاب میں اس موضوع پر تحقیقی انداز میں بحث کی گئی ہے اور موجودہ دور کے عائلی مسائل کا تجزیہ کرتے ہوئے اسلامی تعلیمات کی روشنی میں ان کا حل پیش کیا گیا ہے۔

یہ کتاب اصلاً تحقیقی مقالہ ہے جس پر مصنفہ کو شعبۂ علوم اسلامیہ، پنجاب یونی ورسٹی، لاہور سے پی ایچ ڈی کی ڈگری تفویض کی گئی ہے۔ موضوع کی اہمیت و افادیت اور تحقیقی کام کی عمدگی کی بنا پر یونی ورسٹی کی جانب سے ہی اس مقالہ کو شائع کیا گیا ہے۔

یہ کتاب چھ ابواب پر مشتمل ہے۔ ہر باب میں متعدد فصول ہیں۔ باب اول تمہیدی نوعیت کا ہے۔ اس میں موضوع کا تعارف کرایا گیا ہے، اسلام میں عائلی نظام کی اہمیت بیان کی گئی ہے اور ان اسباب کا تذکرہ کیا گیا ہے جن سے مختلف مسائل جنم لیتے ہیں۔ باب دوم میں ان مسائل سے بحث کی گئی ہے جن کا مغربی معاشرہ اور خاص طور سے پاکستانی مسلم معاشرہ شکار ہے، مثلاً اباحیت پسندی، ازدواجی سکون سے محرومی، خواتین پر تشدد، اولاد سے بے نیازی، بے نکاح ازدواجی زندگی، نکاح میں تاخیر کا رجحان، عورت کی ملازمت، ذات برادری اور جہیز وغیرہ۔ باب سوم میں معاہدۂ نکاح سے متعلق مسائل (جبری نکاح، فرار کی شادی، ولایتِ نکاح، تعدد ازواج، مہر کی مقدار) زیرِ بحث آئے ہیں۔ باب چہارم کا دائرہ حقوق الزوجین سے متعلق مسائل ہیں۔ مثلاً

عورت کا حقِ ملکیت، مرد کی قوامیت کے حدود اور تقاضے، غیرت کے نام پر قتل، گھریلو تشدد، عورت کا حقِ نفقہ وسکنیٰ، سسرال میں عورت کی ذمے داریاں وغیرہ۔ باب پنجم میں زوجین کی علیٰحدگی (طلاق وخلع) اور اس صورت میں بچوں کی حضانت (پرورش) اور یتیم پوتے کی وراثت جیسے مسائل کا احاطہ کیا گیا ہے۔ ہر مسئلہ کے ذیل میں فاضل مصنفہ نے پہلے اس کی حقیقی صورتِ حال بیان کی ہے، اعداد وشمار کی روشنی میں مغربی اور پاکستانی معاشروں کی پراگندگی واضح کی ہے، پھر اسلامی تعلیمات کی روشنی میں اس کا معقول حل پیش کیا ہے۔ آخری باب نتائج اور سفارشات پر مشتمل ہے۔ اس میں گویا تمام بحثوں کا خلاصہ آ گیا ہے۔ خاندان کے استحکام کے لیے اس میں قیمتی مشورے دیے گئے ہیں۔

مصنفہ نے عربی، اردو اور انگریزی کے دست یاب مصادر ومراجع سے بھرپور استفادہ کیا ہے۔ ان کی فہرست ساڑھے تین سو (۳۵۰) سے زائد کتابوں پر مشتمل ہے۔ ان میں اسلامی معاشرت اور عائلی نظام پر مولانا سید جلال الدین عمری کی تصانیف بھی شامل ہیں۔

اقتباسات اور حوالوں کی کثرت کہیں کہیں بلا ضرورت محسوس ہوتی ہے۔ ممکن ہے، پی ایچ ڈی مقالہ کی وجہ سے ایسا کیا گیا ہو۔ کہیں کہیں احادیث اور عربی عبارتوں کے ترجمے نظر ثانی کے محتاج ہیں۔ مثلاً **انما النساء شقائق الرجال** کا یہ ترجمہ کیا گیا ہے: ''عورتیں مردوں کی بہنیں ہیں'' (ص ۳۷)۔ اس کا موزوں ترجمہ یہ ہوگا: ''عورتیں مردوں کے مثل ہیں''۔ **الدنیا متاع** کا یہ ترجمہ کیا گیا ہے: ''دنیا ایک نفع کا سامان ہے''۔ اس میں 'نفع' کا اضافہ بلا ضرورت ہے۔ ص ۴۰ پر حضرت عمر بن الخطابؓ سے مروی روایت کا ترجمہ درست نہیں ہے۔ اس طرح کی اور بھی مثالیں ہیں۔

یہ کتاب اپنے موضوع پر ایک عمدہ مطالعہ ہے۔ امید ہے، علمی حلقوں میں اس کی پذیرائی ہوگی اور اس سے خاطر خواہ استفادہ کیا جائے گا۔

(محمد رضی الاسلام ندوی)

قادیانی مسئلہ [تدوینِ نو] مولانا سید ابوالاعلیٰ مودودیؒ

ناشر: مرکزی مکتبہ اسلامی پبلشرز نئی دہلی، ۲۰۱۵ئ ص ۱۳۴ قیمت —/

انیسویں صدی عیسوی میں برصغیر ہند میں جن فتنوں نے سر ابھارا اور امت مسلمہ کی اندرونی صفوں میں افتراق و انتشار پیدا کرنے کی کوشش کی ان میں سے ایک مرزا غلام احمد قادیانی (۱۸۳۹–۱۹۰۸ئ) کا برپا کیا ہوا، ختمِ نبوت سے انکار کا فتنہ ہے۔ ختمِ نبوت امت کا متفقہ عقیدہ ہے، اس لیے اس فتنہ کے سر اٹھاتے ہی علماء کرام نے اس کا نوٹس لیا اور ابتدا ہی میں اس کی سرکوبی کی کوشش کی۔ چناں چہ اپریل ۱۹۱۸ء میں ایک استفتاء پر ہندوستان کے تمام قابلِ ذکر دینی مراکز اور اداروں کے علماء نے قادیانوں کی تکفیر کا فتویٰ دیا۔ فروری ۱۹۳۵ء میں بہاول پور کی عدالت نے قادیانت کو کافر اور خارج از اسلام فرقہ قرار دیتے ہوئے ایک نکاح کو فسخ کر دیا، جس میں شوہر قادیانی ہو گیا تھا۔ جنوری ۱۹۵۳ء میں پاکستان کی تمام دینی جماعتوں اور تنظیموں کے ۳۳/سربراہان نے کراچی میں جمع ہو کر قادیانیوں کو غیر مسلم اقلیت قرار دینے کا مطالبہ کیا۔ حکومت نے اس وقت علماء کا یہ مطالبہ تسلیم نہیں کیا۔ اپریل ۱۹۷۴ء میں رابطۂ عالمِ اسلامی مکہ مکرّمہ کے تحت منعقدہ ایک کانفرنس میں پوری دنیا کی ۱۴۴/دینی تنظیموں اور جماعتوں کے نمائندے شریک ہوئے اور اس میں قادیانیوں کی تکفیر کی متفقہ قرارداد منظور کی۔ بالآخر ستمبر ۱۹۷۴ء کو پاکستان اسمبلی نے اپنے متفقہ فیصلے میں قادیانیوں کو غیر مسلم قرار دے دیا۔

قادیانیت کے علمی رد کے سلسلے میں بھی علمائے اسلام نے اہم خدمات انجام دی ہیں۔ چناں چہ اس موضوع پر بہت وسیع لٹریچر اردو زبان میں موجود ہے اور ان میں سے بعض کا دیگر زبانوں میں بھی ترجمہ ہو گیا ہے۔ یہ تمام کتابیں برابر شائع ہو رہی ہیں اور انٹرنیٹ پر بھی دست یاب ہیں، لیکن تشویش کی بات ہے کہ قادیانیت کا فتنہ مسلسل برگ و بار لا رہا ہے، دنیا کے بیش تر ممالک میں ان کے مراکز قائم ہیں اور اسلام دشمن

طاقتوں اور حکومتوں کی انھیں پشت پناہی حاصل ہے۔

۱۹۵۳ء میں جب پاکستان میں تمام دینی جماعتوں، تنظیموں اور سرکردہ علماء کے اشتراک سے بڑے پیمانے پر اور منظم طریقے سے ختم نبوت کی تحریک چلی اور قادیانیوں کو مسلمانوں سے الگ ایک غیر مسلم اقلیت قرار دینے کا پرزور مطالبہ کیا گیا تو اس زمانے میں مولانا سیّد ابوالاعلیٰ مودودیؒ نے عوام و خواص کو اصل مسئلے سے آگاہ کرنے کے لیے علمی و تحقیقی انداز میں ایک کتابچہ 'قادیانی مسئلہ' کے نام سے تالیف کیا تھا۔ اس کی بڑے پیمانے پر اشاعت ہوئی اور وہ لاکھوں افراد تک پہنچا۔ اس کی بنیاد پر حکومت نے مولانا کو گرفتار کرلیا اور مارشل لا کے ضابطہ نمبر ۸ اور تعزیرات کی دفعہ ۱۵۳ (الف) کے تحت مقدمہ چلا کر موت کی سزا سنادی۔ لطف کی بات یہ تھی کہ حکومت نے اس رسالے کی اشاعت پر کوئی پابندی عائد نہیں کی اور وہ برابر شائع ہوتا رہا۔ سزائے موت کے خلاف شدید عوامی ردعمل ہوا اور عرب حکومتوں نے بھی احتجاج کیا۔ بالآخر اندرونی اور بیرونی دباؤ کی تاب نہ لاکر حکومت نے سزائے موت منسوخ کردی اور اسے عمر قید سے بدل دیا، پھر ۱۹۵۵ء میں مولانا کو رہا کردیا گیا۔ رہائی کے بعد مولانا نے متعدد مواقع پر تحقیقاتی عدالت میں مفصل بیانات دیے، جن میں قادیانیت کا مکمل پوسٹ مارٹم کیا اور حکومتی اقدامات کی قلعی کھول کر رکھ دی۔

اس کتابچہ 'قادیانی مسئلہ' کے، پاکستان میں اب تک دو درجن ایڈیشن شائع ہو چکے ہیں۔ اس کے علاوہ رابطہ عالم اسلامی مکہ مکرمہ نے اسے قادیانیت کے بارے میں مولانا سید ابوالحسن علی ندویؒ اور شیخ خضر حسینؒ کے مضامین کے ساتھ ایک مجموعہ کی شکل میں بڑے پیمانے پر شائع اور عام کیا۔ ہندوستان میں اس مجموعۂ مقالات کی مرکزی مکتبہ اسلامی پبلشرز سے بھی برابر اشاعت ہورہی ہے۔ پاکستان میں پہلے 'قادیانی مسئلہ' ایک مختصر کتابچہ (۳۷ صفحات) کی شکل میں شائع ہوتا تھا۔ بعد میں اس میں تحقیقاتی عدالت میں مولانا مودودیؒ کے بیانات کے ضروری اقتباسات شامل کردیے گئے تو اس کی ضخامت ۱۰۴ صفحات ہوگئی۔ ایک دوسرا ایڈیشن 'قادیانی مسئلہ اور اس کے سیاسی، دینی اور تمدنی پہلو' کے نام سے نکالا گیا، جس میں

اصل کتابچہ (قادیانی مسئلہ) کے ساتھ تحقیقاتی عدالت میں مولانا کے بیانات کے زیادہ مفصل اقتباسات شامل کیے گئے، جس کی بنا پر کتاب کی ضخامت ۳۸۴ر صفحات ہوگی۔ وہاں یہ دونوں کتابیں برابر شائع ہورہی ہیں۔

مذکورہ بالا دونوں کتابیں گزشتہ صدی کی پانچویں دہائی کا پس منظر رکھتی ہیں، جب قادیانیوں کو مسلمانوں سے الگ ایک غیر مسلم اقلیت قرار دینے کی پرزور تحریک شروع ہوئی تھی۔ چناں چہ ان تحریروں میں بھی اس مطالبہ کی تکرار موجود ہے اور ان حالات کا بھی باریکی سے تذکرہ اور تجزیہ کیا گیا ہے، جن میں پاکستان کی حکومت کے متعدد اعلیٰ مناصب پر بعض قادیانی فائز تھے اور انھیں حکومتی سرپرستی حاصل ہونے کے برے اور خطرناک اثرات سماج پر پڑ رہے تھے۔ بعد میں حالات بدل گئے اور بالآخر ۱۹۷۴ء میں پاکستان کی نیشنل اسمبلی نے قادیانیوں کو غیر مسلم اقلیت قرار دے دیا۔

ادھر کچھ عرصے سے ہندوستان کے بعض علاقوں میں قادیانیت جڑ پکڑ رہی ہے اور اپنے پر پُرزے نکال رہی ہے۔ اس صورتِ حال میں مناسب معلوم ہوا کہ ردِّ قادیانیت میں لکھی گئی اس موثر کتاب کو تدوینِ نو کے بعد شائع کیا جائے، تاکہ بھولے بھالے عوام کو اس فتنے کا شکار ہونے سے بچایا جاسکے۔ اس کی تدوینِ نو درج ذیل انداز سے کی گئی ہے:

۱— قادیانی مسئلہ — مکمل کتابچہ

۲— تحقیقاتی عدالت میں مولانا مودودیؒ کے بیانات کے ضروری اقتباسات۔

ان دونوں حصوں میں معمولی تدوین کی گئی ہے۔ چناں چہ وہ تحریریں حذف کردی گئی ہیں جو وقتی پس منظر رکھتی تھیں۔ اگرچہ وہ تاریخی اہمیت کی حامل تھیں، لیکن اصل مسئلہ قادیانیت سے اب ان کا تعلق باقی نہیں رہ گیا تھا۔

۳— مولانا مودودیؒ کی کتاب 'رسائل و مسائل' میں قادیانیت سے متعلق کچھ قیمتی مواد تھا۔ اسے بھی شامل کردیا گیا ہے۔

اس طرح 'قادیانی مسئلہ' کی پیش کش تدوینِ نو کے بعد زیادہ جامع اور مفید ہوگئی ہے۔ اس سے ان شاء اللہ قادیانیت کے خدوخال کو سمجھنے میں بڑی مدد ملے گی۔ (م—ر)

عصر حاضر کے پُر فریب نعرے ڈاکٹر محمد رفعت

ناشر: مرکزی مکتبہ اسلامی پبلشرز نئی دہلی، ۲۰۱۵ئ ص ۱۴۴ قیمت -/ ۷۵ روپے

گزشتہ چند صدیوں کی تاریخ شاہد ہے کہ جہاں ایک طرف مسلمانوں پر غلبہ وتسلّط حاصل کرنے کے لیے جبر واستبداد کا سہارا لیا گیا، مسلم ممالک پر فوج کشی کرکے ان پر قبضہ جما لیا گیا اور مسلم عوام کی جانوں اور مملوکہ چیزوں کو بری طرح پامال کیا گیا، وہیں دوسری طرف ان پر فکری یلغار بھی کی گئی۔ اسلام پر دہشت گردی، انتہا پسندی، بنیاد پرستی، قدامت پسندی اور دیگر الزامات لگائے گئے اور اس کے مقابلے میں بعض نظریات گھڑ کر انھیں زیادہ سائنٹفک، موجودہ دور سے زیادہ ہم آہنگ اور زیادہ قابلِ عمل قرار دیا گیا۔ مثلاً کثرتیت (Pluralism)، وحدتِ ادیان (سرودھرم سمبھاؤ) لامذہبیت (Secularism)، حاکمیتِ جمہور، قوم پرستی وغیرہ۔ کہنے کو تو یہ چند اصطلاحات ہیں، لیکن ان کے پیچھے پورا نظامِ فکر وفلسفہ پوشیدہ ہے۔ حقیقت میں یہ موجودہ دور کے پر فریب نعرے ہیں، جن کی گونج پوری دنیا میں سنائی دے رہی ہے اور خاص طور سے ہمارے ملکِ عزیز میں بھی ان کا غلغلہ بلند ہے۔ ضرورت ہے کہ ان نظریات کا علمی انداز میں محاکمہ کیا جائے، ان کے تضادات واضح کیے جائیں، ان کی کم زوریوں کو واشگاف کیا جائے اور اسلامی نظریۂ حیات کی ایسی دل نشیں تشریح وتفہیم کی جائے کہ ان نظریات کے مقابلے میں اس کی برتری ثابت ہو اور وہ موجودہ دور میں بھی لائقِ عمل، قابلِ قبول اور قرینِ عقل معلوم ہو۔

زیرِ نظر کتاب دس (۱۰) مضامین پر مشتمل ہے۔ ان میں مذکورہ بالا نظریات سے بحث کی گئی ہے، ان کے مختلف پہلوؤں کا بھرپور تجزیہ کیا گیا ہے اور اسلام سے ان کا تقابل کرکے اسلامی تصورات کی معقولیت اور برتری ثابت کی گئی ہے۔ یہ مضامین اصلاً ماہ نامہ 'زندگی نو' نئی دہلی کے اداریوں (اشارات) کی حیثیت سے شائع ہوتے رہے ہیں۔ عمومی افادیت کے پیشِ نظر اب انھیں کتابی صورت میں شائع کیا گیا ہے۔ امید ہے، دینی وعلمی حلقوں میں اس کتاب کو مقبولیت حاصل ہوگی اور اس سے بھرپور فائدہ اٹھایا جائے گا۔

(م–ر)

مولانا ضیاء الدین اصلاحیؒ: حیات وخدمات مرتب: محمد طارق
[مجموعۂ مقالات]

ناشر: شبلی چلڈرن اسکول، نظام آباد، اعظم گڑھ، ۲۰۱۳ئ،ص ۴۱۵،قیمت -/۴۰۰روپے

دارالمصنفین شبلی اکیڈمی اعظم گڑھ کے نام ور رفقاء میں مولانا ضیاء الدین اصلاحی(۱۹۳۷-۲۰۰۸ئ) کا بھی شمار ہوتا ہے۔ وہ مدرسۃ الاصلاح سرائے میر اعظم گڑھ سے تعلیم مکمل کرنے کے بعد بیس (۲۰) سال کی عمر میں ہی دارالمصنفین سے وابستہ ہو گئے تھے، جہاں شاہ معین الدین احمد ندویؒ کی سر پرستی اور جناب سید صباح الدین عبدالرحمنؒ اور مولانا مجیب اللہ ندویؒ کی رفاقت میں ان کی صلاحیتوں میں نکھار آیا اور علمی میدان میں آزادی سے کام کرنے کا موقع ملا۔ چناں چہ بہت جلد ان کا شمار ہندوستان کی معروف علمی شخصیات اور اصحابِ قلم میں ہونے لگا۔

مولانا اصلاحی ۱۹۸۷ء میں سید صباح الدین صاحب کی حادثاتی وفات کے بعد دارالمصنفین کے ناظم اور اس کے ترجمان ماہ نامہ 'معارف' کے مدیر مقرر ہوئے۔ ان کے قلم سے سیکڑوں علمی و دینی اور ادبی و تحقیقی مقالات اور تقریباً ایک درجن کتابیں نکلیں، جنھیں علمی حلقوں میں پسندیدگی کی نظر سے دیکھا گیا۔ ان میں 'ہندوستان — عربوں کی نظر میں' (دو جلدیں)، 'تذکرۃ المحدثین' (تین جلدیں)، 'ایضاح القرآن'، 'چند ارباب کمال' اور 'مسلمانوں کی تعلیم' خصوصیت سے قابلِ ذکر ہیں۔ سخت مالی مشکلات اور انتہائی نامساعد حالات کے باوجود دارالمصنفین کی غیر دست یاب کتابوں کو دوبارہ شائع کرانا، خاص طور پر سیرت النبی کے نئے ایڈیشن کی اشاعت اور دیگر قدیم مطبوعات کی دوبارہ معیاری اشاعت ان کا بڑا کارنامہ ہے۔

مولانا ضیاء الدین اصلاحیؒ کی وفات (۲؍فروری ۲۰۰۸ئ) کے ایک سال کے بعد ان کی یاد میں ان کے صاحب زادے جناب محمد طارق کی دل چسپی سے دارالمصنفین کے کیمپس میں ۲۴-۲۵؍فروری ۲۰۰۹ء کو ایک سمینار منعقد ہوا تھا، جس میں مختلف اصحابِ قلم نے مرحوم کی شخصیت اور خدمات پر روشنی ڈالی تھی۔ انھی مقالات کا مجموعہ زیرِ نظر کتاب کی صورت میں شائع کیا گیا ہے۔

اس کتاب کا مقدمہ پروفیسر اشتیاق احمد ظلّی نے لکھا ہے۔ اس میں کل انتیس (۲۹) مقالات ہیں۔ پروفیسر خورشید نعمانی نے 'ایک پیکرِ شرافت' کے عنوان سے مولانا مرحوم کی شخصیت و کردار کا تعارف کرایا ہے۔ پروفیسر محمد یٰسین مظہر صدیقی نے ان کی قرآنی خدمات، پروفیسر ظفر الاسلام اصلاحی نے تعلیمی افکار، ڈاکٹر ابوسفیان اصلاحی نے مذہبی افکار، صحافت اور قومی جدوجہد، جناب محمد ایوب واقف نے ادبی خدمات، مولانا کلیم صفات اصلاحی نے ان کے تبصروں اور ڈاکٹر فخر الاسلام اعظمی نے ان کے شذرات کا جائزہ لیا ہے۔ مولانا توقیر احمد ندوی نے ان کی مجموعی تصانیف اور ڈاکٹر محمد مشتاق تجاروی نے ان کی اہم تصنیف 'تذکرۃ المحدثین' کا تجزیہ کیا ہے۔ ڈاکٹر محمد رضی الاسلام ندوی نے فکرِ فراہی کے ترجمان کی حیثیت سے ان کی تحریروں کا مطالعہ کیا ہے۔ دیگر مقالات سے بھی مرحوم کی شخصیت کے مختلف پہلوؤں پر روشنی پڑتی ہے۔

کتاب کے آخر میں اشخاص، کتب و رسائل اور مقالات کا اشاریہ تیار کیا گیا ہے۔ پروف ریڈنگ کی کمی محسوس ہوتی ہے۔ مجموعی اعتبار سے کتاب اچھی ہے۔ مولانا مرحوم کے افکار و نظریات، خدمات اور کارناموں کو جاننے کے خواہش مند افراد کے لیے یہ کتاب ان شاء اللہ بنیادی ماخذ کا کام دے گی۔ (اسامہ شعیب)

سہ ماہی مجلہ تعلیم و تحقیق اسلام آباد مدیر: ڈاکٹر حبیب الرحمن

پتہ: گلشنِ تعلیم، H-15، موٹروے چوک، اسلام آباد، فی شمارہ: ۲۵۰ روپے، سالانہ: ۸۰۰ روپے (پاکستانی)

مرکزِ تعلیم و تحقیق اسلام آباد (پاکستان) تعلیم و تحقیق کے میدان میں اہم خدمات انجام دے رہا ہے۔ کچھ عرصہ سے اس نے ایک سہ ماہی جریدہ 'مجلہ تعلیم و تحقیق' کے نام سے شائع کرنا شروع کیا ہے۔ اس کا مقصد اہم سماجی، تعلیمی، معاشی اور معاشرتی پہلوؤں پر قرآن و سنت کی روشنی میں رہ نمائی فراہم کرنا بتایا گیا ہے۔ اب تک اس کے چار شمارے شائع ہو چکے ہیں، جن میں تحفظِ ناموس رسالت نمبر اور یکساں نظامِ تعلیم نمبر قابل ذکر ہیں۔

زیرنظر شمارہ اس کا پانچواں شمارہ (جولائی تا ستمبر ۲۰۱۳ئ) ہے۔

یہ شمارہ سات مقالات پر مشتمل ہے۔ ڈاکٹر محمد یوسف فاروقی نے 'امتِ واحدہ کی تشکیل قرآن وسنت کی روشنی میں' کے موضوع پر تحقیقی بحث کی ہے۔ ڈاکٹر ریاض خاں الازہری نے طہارت کے موضوع پر اسلام اور جین مت کی تعلیمات کا تقابلی مطالعہ پیش کیا ہے۔ جناب غازی عبدالرحمن قاسمی نے 'پاکستانی معاشرے میں پسند کی شادی اور قتل غیرت' کے موضوع کا گہرائی سے تجزیہ کیا ہے۔ محترمہ حمیرا ناز کے مقالہ کا عنوان 'تعدد ازدواج اور اسلام' ہے۔ جناب محمد ارشد نے 'دہشت گردی: مفہوم، اسباب اور اثرات' کا تحقیقی مطالعہ پیش کیا ہے۔ جناب محمد اصغر شہزاد نے 'آسمانی کتابوں کی روشنی میں حرمتِ سود کا اثبات کیا ہے۔ آخری مقالہ 'فتاویٰ واستنباطِ مسائل میں شدت پسندی کا رجحان' کے عنوان سے ڈاکٹر مسفر بن علی محمد القحطانی کے عربی مقالے کا ترجمہ ہے۔ یہ مقالہ پہلے سہ ماہی تحقیقات اسلامی علی گڑھ میں شائع ہو چکا تھا۔

مجلہ کی مجلسِ مشاورت میں عالمی سطح کے اصحابِ علم وفضل کو رکھا گیا ہے۔ ان میں ہندوستان سے پروفیسر محمد یٰسین مظہر صدیقی اور ڈاکٹر محمد رضی الاسلام ندوی کے نام گرامی شامل ہیں۔

امید ہے، مجلہ کا علمی وتحقیقی معیار قائم رہے گا اور اس کی اشاعت کو وقت پر لانے کی کوشش کی جائے گی۔ (محمد رضوان خاں)

پاکستان میں

سہ ماہی تحقیقاتِ اسلامی کے لیے رابطہ کریں:

جناب سجاد الٰہی صاحب، A-27، لوہا مارکیٹ، مال گودام روڈ، بادامی باغ، لاہور

Tel: 0300-4682752, (R)5863609, (0)7280916

Email: abdulhadi_133@yahoo.com

غیر مسلموں سے تعلقات اور ان کے حقوق

مولانا سید جلال الدین عمری

مسلمانوں اور غیر مسلموں کے درمیان کیسے تعلقات ہونے چاہئیں؟ یہ آج کا ایک اہم اور زندہ موضوع ہے۔ کیا اسلام اپنے ماننے والوں کے علاوہ دوسروں کو بنیادی انسانی حقوق سے محروم کردیتا ہے؟ کیا اس میں مذہبی رواداری، تحمل و برداشت اور توسع نہیں پایا جاتا ہے؟ اسلام کے نزدیک غیر مسلموں سے خاندانی، معاشرتی، سماجی، کاروباری اور ازدواجی تعلقات کی نوعیت کیا ہے؟ غیر مسلموں کو سلام، مساجد میں ان کا داخلہ اور ان سے تحائف کے تبادلہ کا کیا حکم ہے؟ کیا مسلمانوں کے معاملات میں ان کی گواہی قبول کی جاسکتی ہے؟ اسلامی ریاست کی بنیادیں کیا ہیں؟ اور اس پر کیا اعتراضات کیے جاتے ہیں؟ جہاد کیا ہے اور اس کے احکام کیا ہیں؟ ذمیوں کے کیا حقوق ہیں؟ اسلامی ریاست کے بین الاقوامی تعلقات کی نوعیت کیا ہے؟ غیر مسلموں سے عدم تعلق کی ہدایات کا صحیح پس منظر کیا ہے؟ یہ چند ایسے اہم مسائل ہیں جن کا جدید ذہن اطمینان بخش جواب چاہتا ہے۔

کتاب میں اس نوع کے تمام مباحث پر قرآن وحدیث کی روشنی میں اور مستند مفسرین، محدثین اور فقہاء کے حوالوں کے ساتھ عالمانہ اظہار خیال کیا گیا ہے۔ ہندوستان کے پس منظر میں اس کی خصوصی اہمیت ہے اور دعوت وتبلیغ کے میدان میں کام کرنے والوں کی بھی یہ ایک اہم ضرورت ہے۔

مصنف کی نظر ثانی کے بعد جدید ایڈیشن، آفسیٹ کی حسین طباعت، عمدہ کاغذ، خوب صورت جلد، صفحات: ۳۲۰، قیمت: ۱۸۵/ روپے

خبر نامہ ادارۂ تحقیق وتصنیف اسلامی (۵۶)

☆ صدرِ ادارۂ تحقیق وامیر جماعت اسلامی ہند مولانا سید جلال الدین عمری کی تصنیف 'اسلام میں خدمت خلق کا تصور' کو الحمد للہ علمی و دینی حلقوں میں قبولِ عام حاصل ہے۔ انگریزی، ہندی، ملیالم اور تمل زبانوں میں اس کا ترجمہ ہو چکا تھا۔ اب اس کا عربی زبان میں ترجمہ سامنے آیا ہے۔ یہ خدمت دوحہ (قطر) میں مقیم ایک عمری فاضل مولانا محمد راشد مومن نے انجام دی ہے اور اس کی اشاعت عالم عرب کے ایک مشہور اشاعتی ادارے 'دار وحی القلم' دمشق کی بیروت شاخ نے کی ہے۔ یہ ادارہ ۲۰۰۲ء میں قائم ہوا تھا۔ دمشق، بیروت اور جدہ میں اس کی شاخیں ہیں۔ کتاب کا عربی نام الرؤية الاسلامية للخدمة الانسانية ہے۔ (صفحات:۲۰۶)

☆ مولانا کا ایک کتابچہ 'انسانوں کی خدمت۔ اسلام کی نظر میں' ۱۹۸۷ء سے شائع ہو رہا ہے۔ اس کا ہندی اور بعض علاقائی زبانوں میں ترجمہ بھی شائع ہو رہا ہے۔ اب اس کا نیا ایڈیشن مصنف کی نظر ثانی کے بعد مرکزی مکتبہ اسلامی پبلشرز نے زیادہ اہتمام سے شائع کیا ہے۔ صفحات: ۲۴، قیمت: ۱۶ روپے

☆ ۱۸ مئی ۲۰۱۵ء کو ادارۂ تحقیق کی مجلسِ عام کا سالانہ اجلاس دعوت نگر، ابوالفضل انکلیو، نئی دہلی میں منعقد ہوا۔ اس میں ادارہ کی سرگرمیوں کا جائزہ لیا گیا اور آئندہ کے منصوبوں پر غور کر کے انھیں منظوری دی گئی۔

☆ ۲۵ اپریل ۲۰۱۵ء کو ادارہ کے اسکالرس کی علمی انجمن 'رائٹرس فورم' کا ایک پروگرام منعقد ہوا، جس میں ادارہ کے اسکالر محمد اجمل نے 'ڈاکٹر حمید اللہ: حیات وخدمات' کے عنوان سے مقالہ پیش کیا۔ بعد ازاں شرکاء کے سوالات کے جوابات دیے۔ رکنِ ادارہ مولانا محمد جرجیس کریمی کی اختتامی گفتگو اور دعا پر پروگرام ختم ہوا۔

☆ ۱۷ جون ۲۰۱۵ء کو رائٹرس فورم کا ایک اور پروگرام ہوا جس میں محترم سکریٹری ادارہ

ڈاکٹر صفدر سلطان اصلاحی نے 'اسلامی تاریخ کے کچھ اہم ادوار' کے موضوع پر اظہارِ خیال کیا اور سامعین کو غور وفکر کے نئے زاویے فراہم کیے۔ اس پروگرام میں ادارہ کے اراکین واسکالرس کے علاوہ ادارہ علوم القرآن اور یونی ورسٹی کے متعدد ریسرچ اسکالرس شریک ہوئے۔

☆ ۱۴؍جون ۲۰۱۵ء کو مسجد کمیٹی کی میٹنگ ہوئی، جس میں مسجد سے متعلق امور پر غور ومشورہ ہوا۔ اس سے قبل موسم گرما کے آغاز میں مسجد میں ایر کولر اور دریوں (صفوں) کا انتظام کیا گیا تھا۔ ادھر ماہ رمضان المبارک میں خواتین کی دل چسپی کے پیش نظر مسجد کے ایک حصہ میں پردوں کا انتظام کر کے اس کو ان کے لیے مخصوص کر دیا گیا۔ الحمدللہ وہ نمازِ تراویح وجمعہ میں شریک ہو رہی ہیں۔

☆ تحقیقاتِ اسلامی کو الحمدللہ علمی حلقوں میں مقبولیت حاصل ہے۔ اس کی سائٹ پر ابتداء سے اب تک کے تمام شمارے اپ لوڈ کر دیے گئے ہیں۔ ستمبر ۲۰۱۰ء سے اب تک اس سائٹ کو دس ہزار سے زائد افراد نے وِزٹ کیا ہے۔

☆ بین الاقوامی اسلامی یونی ورسٹی اسلام آباد (پاکستان) کا 'ادارۂ تحقیقاتِ اسلامی' علم وتحقیق کی دنیا کا ایک معتبر ادارہ ہے۔ اردو میں اس کا سہ ماہی علمی مجلہ 'فکر ونظر' کے نام سے شائع ہوتا ہے۔ اس کی مجلسِ مشاورت میں دنیا کے معروف محققین اور اصحابِ قلم کو رکھا گیا ہے۔ ادارہ کے ذمہ داروں نے سہ ماہی تحقیقات اسلامی کے معاون مدیر ڈاکٹر محمد رضی الاسلام ندوی کو بھی اس مجلس میں شامل کیا ہے۔

☆ جامعہ ملیہ اسلامیہ نئی دہلی میں ایک نیا شعبہ کھولا گیا ہے، جس کا نام ہے: Hakeem Ajmal Khan Institute for Literary and Historical Research in Unani Medicine۔ اس کے افتتاحی اجلاس (۱۹؍مئی) میں شرکت کے لیے ڈاکٹر ندوی کو دعوت دی گئی۔ اس موقع سے انھوں نے 'جامعہ ملیہ اسلامیہ کے قیام واستحکام میں حکیم اجمل خاں کا کردار' کے عنوان سے مقالہ پیش کیا۔ اس شعبہ کو سرگرمِ عمل رکھنے کے لیے ایک کمیٹی تشکیل دی گئی ہے۔ ڈاکٹر ندوی کو اس کا رکن نامزد کیا گیا ہے۔

ISSN:2321-8339

Organ of Idara-e-Tahqeeq-o-Tasneef-e-Islami

Quarterly

TAHQEEQAT-E-ISLAMI
ALIGARH

Vol. 34 No.3

July - September 2015

Editor

Syed Jalaluddin Umari

Asstt. Editor

Mohammad Raziul Islam Nadvi

Nabi Nagar (Jamalpur), P.O. Box: 93
ALIGARH - 202 002 (INDIA)
www.tahqeeqat.net Email: tahqeeqat@gmail.com

CONTENTS

1. **Human Rights and Islam**
   Syed Jalaluddin Umari 5

2. **The Conversion of 'Amr b. al-As, Khalid b. Walid and Uthman b. Talhah-A Historical Analysis**
   Prof. M. Yasin Mazhar Siddiqui 15

3. **Exegetical Sources of Shah Waliullah**
   Dr. M. Raziul Islam Nadvi 43

4. **Historical Development of Issuance of Fatwas**
   Professor Muhammad Anas Hasan 57

5. **Maulana Abul Kalam Azad and Nazm-i-Qur'an**
   Dr. Nisha Haleem 71

6. **Urwah b. Zubair - the First Seerah-writer**
   Hafiz Abdul Ghaffar 85

7. **Book Reviews** 109

8. **Activities of Idara-e-Tahqee-o-Tasneef-e-Islami** 119

Abstract of the Articles

Human Rights and Islam

Syed Jalaluddin Umari
President Idara-e- Tahqeeq-o- Tasneef-e- Islami
& Ameer Jamaat-e-Islami Hind

Maulana Syed Jalaluddin Umari participated in the Ijtima-e-Aam of Jamaat-e-Islami Pakistan held in Lahore from 21 to 23 October 2014. On the second day of the Ijtima he delivered a dars on Human Rights in the light of the Qur'an and Hadith.

He said that the problem of human rights violation is a fundamental issue today. It is being discussed and debated everywhere. The guidelines Islam has given in this regard are natural. Islam says that everyone has the right to live. No one is allowed to deprive him of the right to live. To live is not the solitary right rather it forms the basis for many other rights like food and drinking, dress, style of living, education and training. It is necessary that all these genuine requirements are fulfilled. Islam has also granted acceptance to ideological freedom. It prohibits from imposing any particular ideology on any person with force and coercion. Equality is also mentioned in human rights. It holds extraordinary importance. It remains a fact that no greater voice has ever been raised for it than Islam did. Likewise, Islam has emphasised on the establishment of equity and justice. It has been declared as the gist of the teachings of Prophets and the Muslim Ummah has been introduced as one having been raised for the establishment of equity and justice.

The Conversion of 'Amr b. al-As, Khalid b. Walid and Uthman b. Talhah

A HistoricalAnalysis

Prof. M. Yasin Mazhar Siddiqui
Ex Chairman, Dept. of Islamic Studies
Aligarh Muslim University, Aligarh, India
mnzdigitalpoint@gmail.com

Original sources of the Sirah contain a large number of traditions (riwayaat) and ahadith with regard to unprecedented spurge of conversion of the Arabs in general and the Quraysh of Makkah in particular after the great Treaty of Hudaibiyah in 6/628 between the Holy Prophet and the Oligarchy of the Quraysh and attribute it to the conducive atmosphere created by the great Treaty, illustrating it with the conversion of the three stalwarts of Makkah, namely, Khalid b. Walid, 'Amr b. al-As and Uthman b. Talhah who hailed from three ruling families: B. Makhzum, B. Sahm and B. Abd al-Dar and also held three important posts of the Oligarchy and had international commercial, diplomatic and religio-political contacts. But these and many other facts were not discussed and analysed thoroughly by the traditional writers of the Sirah.

This paper attempts to fill in the blank and highlight the circumstances, motives, factors and far-reaching consequences of the conversion, hoping to give a fillip to other scholars to study and examine other instances of conversions in the period of hudnah (armistic) that consequently paved the way of the great Conquest of Makkah.

Exegetical Sources of Shah Waliullah

Dr. M. Raziul Islam Nadvi
Secretary Tasneefi Academy,Jamaat-e-Islami Hind
mrnadvi@yahoo.com

Shah Waliullah Muhaddith Dehlawi (1114-1176H.) has tried his pen in all spheres of Islamic knowledge and learning. One of the important spheres of his contributions is Qur'anic Exegesis. His important works on this subject include Al Fauz al Kabir fi Usul al Tafsir, Fath al Khabir bimalabudda min Hifzihi fi Ilm al Tafsir, Taweel al Ahaadith fi Rumooz Qisas al Ambiya, Al Muqaddamah fi Qawaneen al Tarjama, Fath al Rahman bi Tarjuma al Qur'an, and Hawashi Fath al Rahman. At many places Shah Waliullah has specifically referred to his sources. He has also argued with reference to the Qur'an, the Prophet's Ahadith and the sayings of the Companions. Besides, Qur'an exegeses like Abul Hasan al Nishapuri's Al-Wajeez, Zamakhshari's Al Kashshaaf, Tafsir-e-Zahidi, Tafsir-e-Baizawi, Tafsir-e-Nasfi, and Tafsir-e-Jalalain as well as Allama Suyuti's Al Itqaan fi Uloom al Qur'an had been under his study, and Shah Waliullah has referred in his writings to these scholarly exegetical works.

Besides throwing a brief light on the contributions of Shah Waliullah to the Tafsir literature, this article presents a sketch of his sources of study and provides necessary information in this regard.

Historical Development of Issuance of Fatwas

Professor Muhammad Anas Hasan
Government Degree College, Jahanian, Pakistan
anskashmiri@gmail.com

Fatwa provides guidance in Islamic affairs. It holds utmost importance in Muslim society. Fatwas are in fact the

glimpse of economic, political and social issues of Muslim society. During the age of the Holy Prophet (peace and blessings of Allah be to him), Jurisprudence and Fatwas were related to his very person. If any dispute occurred, his Companions used to turn to the Holy Prophet. After the Holy Prophet, the age of the Rightly Guided Caliphs holds importance with regard to issuance of Fatwas. During this age, Ijma (consensus of the Ummah) and Qiyas (analogical reasoning in which the teachings of the Quran are compared and contrasted with those of the Hadith) were added to the basic sources of Fatwa viz. the Qur'an and Sunnah, and jurisprudential principles and rules were formulated. Thereafter comes the age of Tabi'een Taba-al-Tabiee'n. Among them were some who used to issue Fatwas during the time of the Companions as well. They gave it a formal shape in the light of the jurisprudential thoughts and Fatwas of the Companions. During this period different jurisprudential sects came into being. After this period, issuance of Fatwas fell victim to taqleed (to follow blindly) and jumood (pause) and the movement of Ijtihad (to derive and deduce religious opinion) came to a halt. Later many Ulama broke this jumood and raised a strong voice against taqleed.

A comprehensive book on Fatwas entitled Majalla al-Ahkaam al-Adliyah was compiled during the Ottoman Empire. This is the first codified civil law extracted from Islamic, especially Hanafi, jurisprudence. It bore very lasting fruits. In the subcontinent issuance of Fatwas formally started after the 4th century Hijri and many books on Fatwas were written. Many collections of individual Fatwas were also published. This article throws light on the historical development of issuance of Fatwas as well as introduces books on Fatwas written in the latter period in India.

Maulana Abul Kalam Azad and Nazm-i-Qur'an

Dr. Nisha Haleem
Dept. of Theology (Sunni)
Aligarh Muslim University, Aligarh
tashiya15@gmail.com

Maulana Abul Kalam Azad (1888-1958) is well-known as a typical litterateur, reputed journalist and famous politician. However, his services rendered in the field of Islamic Studies are also of no less importance. He has written a commentary of the Qur'an entitled Tarjuman al-Qur'an, which having reached Surah al-Muminoon is incomplete.

Nazm-i-Qur'an (coherence in the Qur'an) has been a great subject of Qur'anic exegesis. Generally, exegetists have taken the Qur'an as a single organised whole. Some having taken each Surah as a unit have tried to determine its intent. And some others have highlighted even the mutual coherence between the ayaat (verses). Maulana Azad's exegesis Tarjuman al-Qur'an has a glimpse of all this. This article, with the help of extracts from the exegesis, explains that this book carries all the three types of Nazm-i-Qur'an, viz. organic coherence in the Qur'an, internal coherence in Surahs and mutual coherence in ayaat.

Urwah b. Zubair - the First Seerah-writer

Hafiz Abdul Ghaffar
Ph.D. Scholar, Punjab University, Lahore
abdulghaffarpu@hotmail.com

Hazrat Urwah b. Zubair is a famous Tabi'ee. His father

Zubair b. al-Awwaam is the son of Hazrat Safiya, the aunt of Allah's Messenger (peace and blessings of Allah be to him), and his mother Hazrat Asma is the eldest daughter of Hazrat Abu Bakr. He received education from great Companions. He is famous as a muhaddith, jurisprudent, historian and earliest Seerah-writer. His book Maghazi Rasoolullah is the first work on the art of Seerah. Renowned Indian researcher Dr. Muhammad Mustafa al-Azmi compiled and published it from Saudi Arabia in 1401H./1981. This book has been translated into Urdu.

This article throws light on the life of Hazrat Urwah, mentions his teachers, and describes his position in Hadith, Fiqh and Seerah literature. It especially discusses him as the first Seerah-writer. It also introduces the contents of his book and analyses its style.

BOOK REVIEWS

1. Asri A'ili *Masael Aur Islami Talimaat* (Contemporary Family Issues and Islamic Teachings) Hafiza Shahida Perveen; 2013; Pages:492; Price Pk 500/-

Reviewed by Mohammad Raziul Islam Nadvi

2. Qadiyani Mas'la(Qadiyani Problem) Maulana Syed Abul A'la Maududdi ;2015; Pages:134; Price IR

Reviewed by Mohammad Raziul Islam Nadvi

3. Asre Hazir ke Purfreb Nare (Deceptive Slogons of Modern Age) Dr.M.Rafat; 2015; pages 144 , Price IRs.75/-

Reviewed by Mohammad Raziul Islam Nadvi

4. Maulana Ziauddin Islahi: Hayat -o- Khidmat (Maulana Ziauddin Islahi:Life and Works);2013; Pages:415; Price IR 400/- Reviewed by Usama Shoeb

5. Sahmahi Majalla Taleem-o-Tahqeeq(Quarterly Journal Taleem-o-Tahqeeq)Editor:Dr Habibur Rahman; July-Sep 2013 ; Reviewed by Mohammad Rizwan Khan

ڈاکٹر محمد رفعت مدیر ماہنامہ 'زندگی نو' کی

4 نئی کتابیں

فرد، معاشرہ اور ریاست

یہ کتاب اقامتِ دین کے نصب العین کی توضیح وتشریح اور اسلامی تحریک کے کارکنان و ہمدردان میں بدلتے ہوئے حالات میں پورے عزم ویقین کے ساتھ دین کی خدمت کرنے کا حوصلہ پیدا کرے گی۔

• سائز: $\frac{23 \times 36}{16}$ • صفحات: 276 • قیمت: 140.00

اسلامی تحریک سفر اور سمتِ سفر

اس میں تحریکِ اسلامی کے امتیازات وخصوصیات سے بحث کی گئی ہے۔ اس کے مطالعے سے تحریکی کارکنوں کو نئے حالات میں کام کرنے کا جذبہ پیدا ہوگا۔

• سائز: $\frac{23 \times 36}{16}$ • صفحات: 120 • قیمت: 65.00

عصر حاضر کے پرفریب نعرے

کثرتیت، وحدت ادیان، لامذہبیت، حاکمیت جمہور وغیرہ نظریات کا علمی انداز میں نہ صرف محاکمہ کیا گیا ہے بلکہ ان کی کمزوریوں اور تضادات کو بھی واضح کیا گیا ہے۔

• سائز: $\frac{23 \times 36}{16}$ • صفحات: 144 • قیمت: 75.00

امتِ مسلمہ مشن اور خود شناسی

اس میں امتِ مسلمہ کو اس کے حقیقی منصب ومقام کی یاددہانی کرائی گئی ہے اور ملکی حالات کا تجزیہ کرتے ہوئے ان کے لیے صحیح راہ عمل کی نشاندہی کی گئی ہے۔

• سائز: $\frac{23 \times 36}{16}$ • صفحات: 160 • قیمت: 85.00

مرکزی مکتبہ اسلامی پبلشرز، نئی دہلی ۲۵
D-307,Dawat Nagar,Abul Fazl Enclave,Jamia Nagar,New Delhi-110025
Phone: 26981652,26984347 Fax: 26987858
E-mail: mmipublishers@gmail.com • Website: www.mmipublishers.net

R.No. 38933/81

Quarterly
Tahqeeqat-e-Islami
Aligarh

Mob. 09897655171
Phone: 0571-2902034

July 2015
September 2015

مولانا سید جلال الدین عمری کی مطبوعات

شمار	نام کتاب	قیمت	شمار	نام کتاب	قیمت
۱	تجلیات قرآن	/۳۲۵	۲۲	اوراقِ سیرت	/۲۵۰
۲	اسلام۔ انسانی حقوق کا پاسبان	/۵۵	۲۳	خطباتِ پاکستان	/۱۰۰
۳	غیر اسلامی ریاست اور مسلمان	/۲۵	۲۴	عصر حاضر میں اسلام کے علمی تقاضے	/۵۲
۴	کمزور اور مظلوم اسلام کے سایہ میں	/۵	۲۵	انسان اور اس کے مسائل	/۴۰
۵	صحت و مرض اور اسلامی تعلیمات	/۲۰۰	۲۶	اسلام اور مشکلاتِ حیات	/۲۵
۶	خدا اور رسول کا تصور۔ اسلامی تعلیمات میں	/۱۴۰	۲۷	خدا کی غلامی۔ انسان کی معراج	/۱۴
۷	معروف و منکر	/۱۸۵	۲۸	اسلام اور وحدتِ بنی آدم	/۱۶
۸	اسلام کی دعوت	/۲۰۰	۲۹	اسلام میں خدمتِ خلق کا تصور	/۱۱۰
۹	غیر مسلموں سے تعلقات اور ان کے حقوق	/۱۸۵	۳۰	انفاق فی سبیل اللہ	/۲۰
۱۰	تحقیقاتِ اسلامی کے فقہی مباحث	/۱۰۰	۳۱	دولت میں خدا اور بندوں کا حق	/۱۶
۱۱	عورت۔ اسلامی معاشرے میں	/۱۸۰	۳۲	انسانوں کی خدمت۔ اسلام کی نظر میں	/۱۶
۱۲	مسلمان عورت کے حقوق اور ان پر اعتراضات کا جائزہ	/۱۰۰	۳۳	جماعت اسلامی ہند۔ پس منظر، خدمات اور طریقِ کار	/۳۵
۱۳	عورت اور اسلام	/۶۰	۳۴	ہم تحریک اسلامی کے کارکن کیسے بنیں؟	/۱۵
۱۴	اسلام کا عائلی نظام	/۹۰	۳۵	ملک و ملت کے نازک مسائل اور ہماری ذمہ داریاں	/۳۲
۱۵	مسلمان خواتین کی ذمہ داریاں	/۱۵	۳۶	یہ ملک کدھر جا رہا ہے؟	/۲۰
۱۶	قرآن کا نظامِ خاندان	/۱۸	۳۷	وقتِ حساب	/۱۵
۱۷	بچے اور اسلام	/۱۰	۳۸	آخرت کے عذاب سے خاندان کو بچایئے	/۱۰
۱۸	اسلام۔ ایک دینِ دعوت	/۱۰	۳۹	فقہی اختلافات کی حقیقت	/۱۵
۱۹	دعوت و تربیت۔ اسلام کا نقطۂ نظر	/۵۵	۴۰	بعض اہم اسلامی اصطلاحات کی تشریح	/۱۸
۲۰	ہندوستان میں اسلامی دعوت۔ اہمیت و تقاضے	/۵	۴۱	سوئے حرم چلا	/۳۲
۲۱	قرآن مجید کا تصورِ تزکیہ	/۱۸	۴۲	دینی علوم کی تدریس	/۱۴

ملنے کے پتے:
۱- ادارہ تحقیق و تصنیف اسلامی، نبی نگر، پوسٹ بکس نمبر: ۹۳، علی گڑھ۔ ۲
۲- مرکزی مکتبہ اسلامی پبلشرز، ڈی-۳۰۷، ابوالفضل انکلیو، نئی دہلی۔ ۲۵